ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور
پاکستان

بانی

شیخ التفسیر

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر مسئول

مولانا عبید اللہ انور
امیر انجمن خدام الدین لاہور

مدیر اعلیٰ

مجاہد الحسینی

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان غربی

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ نَاسٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِ ابْعَثْ مَعَنَا رِجَالًا يُعَلِّمُوْنَا الْقُرْاٰنَ وَالسُّنَّةَ، فَبَعَثَ اِلَيْهِمْ سَبْعِيْنَ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّآءُ فِيْهِمْ خَالِيْ حَرَامٌ، يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بِاللَّيْلِ: يَتَعَلَّمُوْنَ وَفِي الْمَسْجِدِ وَيَحْتَطِبُوْنَ فَيَبِيْعُوْنَهُ، كَانُوْا بِالنَّهَارِ يَجِيْئُوْنَ بِالْمَآءِ فَيَضَعُوْنَهُ وَيَشْتَرُوْنَ بِهِ الطَّعَامَ لِاَهْلِ الصُّفَّةِ وَلِلْفُقَرَآءِ، فَبَعَثَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَضُوْا لَهُمْ فَقَتَلُوْهُمْ قَبْلَ اَنْ يَبْلُغُوا الْمَكَانَ فَقَالُوْا: اَللّٰهُمَّ بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا اَنَّا قَدْ لَقِيْنَاكَ فَرَضِيْنَا عَنْكَ وَرَضِيْتَ عَنَّا وَاَتٰى رَجُلٌ حَرَامًا خَالَ اَنَسٍ مِنْ خَلْفِهٖ فَطَعَنَهٗ بِرُمْحٍ حَتّٰى اَنْفَذَهٗ فَقَالَ حَرَامٌ: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اِخْوَانَكُمْ قَدْ قُتِلُوْا وَاِنَّهُمْ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا اَنَّا قَدْ لَقِيْنَاكَ فَرَضِيْنَا عَنْكَ وَرَضِيْتَ عَنَّا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چند آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (کہا) کہ ہمارے ساتھ چند ایسے آدمیوں کو بھیج دیجئے، جو ہمیں قرآن و حدیث سکھائیں۔ آپ نے ان کی طرف ستّر انصاری بھیج دئیے۔ جنہیں قرّاء کہا جاتا تھا۔ ان میں میرے ماموں حرام بھی تھے یہ لوگ قرآن پڑھا کرتے تھے اور راتوں کو قرآن کے درس و تدریس اور سیکھنے میں مشغول رہتے تھے دن کو پانی لا کر مسجد میں رکھتے تھے اور لکڑیاں چنا کرتے تھے، اور ان کو بیچ کر اہل صفّہ (جماعت صحابہ جو طلب علم کے لئے مسجد میں رہتے تھے) اور فقراء کے لئے کھانا خریدتے (تھے) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو ان کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ ان کمبختوں نے جائے مقررہ تک پہنچنے سے پہلے ہی پہلے قتل کر دیا۔ ان میں سے ہر ایک نے کہا کہ اے اللہ ہمارا پیغام ہمارے نبی اکرم کو پہنچا دے کہ ہم تیرے پاس پہنچ گئے ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے راوی کہتے ہیں) کہ ایک شخص حضرت حرامؓ حضرت انسؓ کے ماموں کے پاس پیچھے سے آیا۔ اور ان کے نیزہ مارا حتّٰی کہ پار کر دیا تو حضرت حرامؓ نے فرمایا۔ ربّ کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ تمہارے بھائی قتل کر دیئے گئے اور انہوں نے کہا۔ کہ اے اللہ! ہمارے نبی کریم کو ہماری طرف سے یہ پیغام دے کہ ہم تیرے پاس آ گئے ہیں کہ ہم تجھ سے راضی ہیں (بخاری و مسلم) اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ: غَابَ عَمِّيْ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ قِتَالِ بَدْرٍ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ غِبْتُ عَنْ اَوَّلِ قِتَالٍ قَاتَلْتَ الْمُشْرِكِيْنَ، لَئِنِ اللّٰهُ اَشْهَدَنِيْ قِتَالَ الْمُشْرِكِيْنَ لَيَرَيَنَّ اللّٰهُ مَا اَصْنَعُ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ اُحُدٍ انْكَشَفَ الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعْتَذِرُ اِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ يَعْنِيْ اَصْحَابَهٗ وَاَبْرَاُ اِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ يَعْنِي الْمُشْرِكِيْنَ۔ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَاسْتَقْبَلَهٗ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ: يَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ الْجَنَّةَ وَرَبِّ النَّضْرِ اِنِّيْ اَجِدُ رِيْحَهَا مِنْ دُوْنِ اُحُدٍ قَالَ سَعْدٌ: فَمَا اسْتَطَعْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا صَنَعَ: قَالَ اَنَسٌ: فَوَجَدْنَا بِهٖ بِضْعًا وَّثَمَانِيْنَ ضَرْبَةً بِالسَّيْفِ اَوْ طَعْنَةً بِرُمْحٍ اَوْ رَمْيَةً بِسَهْمٍ، وَوَجَدْنَاهُ قَدْ قُتِلَ وَمَثَّلَ بِهِ الْمُشْرِكُوْنَ فَمَا عَرَفَهٗ اَحَدٌ اِلَّا اُخْتُهٗ بِبَنَانِهٖ قَالَ اَنَسٌ: كُنَّا نَرٰى - اَوْ نَظُنُّ - اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِيْهِ وَفِيْ اَشْبَاهِهٖ "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ اِلٰى اٰخِرِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَقَدْ سَبَقَ فِيْ بَابِ الْمُجَاهَدَةِ۔

حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا حضرت انس بن نضرؓ جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے، تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں پہلی لڑائی میں جو آپ نے مشرکین سے لڑی ہے شریک نہ ہو سکا تھا اگر میں آئندہ مشرکین سے جو لڑی ہو اس میں حاضر رہا، تو خدا دیکھ لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں، چنانچہ جب جنگ احد ہوئی اور مسلمانوں کو ظاہری شکست ہوئی تو وہ کہنے لگے۔ اے اللہ آپ سے ان صحابہؓ نے جو کیا ہے اس کی عذر خواہی کرتا ہوں اور ان مشرکین نے جو کیا۔ اس سے اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں (یہ کہہ کر) آگے بڑھے، سامنے سے حضرت سعد بن معاذ آ گئے، تو کہنے لگے، کہ اے سعد بن معاذ اور نضرؓ کے رب کی قسم! کہ میں جبل احد کے قریب جنّت کی خوشبو پاتا ہوں حضرت سعد بن معاذؓ نے کہا، کہ یا رسول اللہ! جو انہوں نے کیا میں خود اس کو نہ کر سکا۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں، کہ ہم نے ان کے بدن پر کچھ اوپر اسی تلوار کے گھاؤ۔ اور نیزہ و تیر کے زخم پاتے، اور ہم نے ان کو اس پایا، کہ جب وہ شہید ہو چکے تھے اور مشرکین نے ان کی ہیئت بگاڑ دی تھی، ان کو ان کی بہن کے سوا اور کوئی نہ پہچان سکا اور انہوں نے بھی ان کو ان کی انگلیوں کے پوروں سے پہچانا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم یہ سمجھتے ہیں اور یہ ہماری رائے ہے۔ کہ یہ آیت ان کے اور ان جیسوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) مسلمانوں میں چند آدمی ایسے ہیں کہ جس پر انہوں نے خدا تعالیٰ [illegible] عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا پھر بعضے تو ان میں سے وہ ہیں جو اپنی نظر نذر پوری کر چکے اور بعض منتظر ہیں (آخر آیت تک) (بخاری و مسلم) اور یہ حدیث "باب المجاہدہ" میں پہلے بھی گذر گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدام الدین لاہور

۳ رصفر المظفر ۱۳۸۹ھ
۱۰ راپریل ۱۹۷۰ء

جلد ۱۵
شمارہ ۴۷

فون نمبر ۶۷۵۴۵

مندرجات

مدیر مسئول:
مولانا عبیداللہ انور مدظلہ

مدیر اعلیٰ:
مجاہد الحسینی

علماء کو متحد کرنے کی کوشش

علماء کے مختلف مکاتبِ فکر کا متحدہ محاذ قائم کیا جائے!

خدام الدین نے علماء کرام اور دینی جماعتوں کے اتحاد و اتفاق کے سلسلہ میں جو کچھ تحریر کیا ہے محتاجِ ذکر نہیں ہے۔

ہم نے اس عنوان پر اپنی رائے کا مسلسل اور متواتر اظہار اس لئے کیا ہے کہ اسلام کی اشاعت ملتِ اسلامیہ کی سربلندی اور پاکستان کے بقاء و استحکام کے لئے ضروری ہے کہ علماء کرام اور دینی جماعتیں اپنے عارضی اور فروعی اختلافات یکسر ختم کر دیں یا کم از کم ان کا دائرہ محدود کر کے انہیں معقولیت کا انداز اختیار کرنا چاہئے۔ ہماری نگاہ میں یہ قطعاً ممکن ہی نہیں کہ علماء اور دینی جماعتیں باہمدگر برسرپیکار بھی رہیں اور اس ملک میں "اسلام" قوتِ حاکمہ بھی بن جائے۔ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

جو لوگ علماء کرام کی تذلیل و توہین کرنے اور علماء کو ننگی گالیاں دینے کو بہت بڑا جہاد سمجھ رہے ہیں اور اس پر خوب بغلیں بجا رہے ہیں کہ گندی گالیوں اور فحش تحریروں کے جواب میں علماء کرام (فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ٥) فرمانِ خداوندی پڑھ کر صبر و استقامت کا مظاہرہ کر رہے ہیں وہ کان کھول کر سن لیں کہ اللہ والوں کے صبر و تحمّل نے بڑے بڑے فرعونوں کے برج الٹا دئے ہیں اور خداوندِ قہار نے اپنے نیک بندوں کی توہین و تذلیل کا دنیا ہی میں ایسا بدلہ دیا ہے کہ ان کا وجود تاریخ کا عبرتناک باب بن گیا۔

ہماری یہ دیانتدارانہ رائے ہے کہ پاکستان میں آج کوئی ادیب، خطیب اور بدیہہ گو شاعر مولانا ظفر علی خاں کا ہم پلہ موجود نہیں۔ مولانا ظفر علی خاں کے اخبار زمیندار کا صرف ایک پہلو اور اس کی صرف ایک خدمت کا اعتراف بنظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے اور اس کے لئے آنکھیں جھک جاتی ہے۔ جو اس نے امتِ مرزائیہ کے تعاقب اور عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کے سلسلہ میں انجام دی تھی۔ اس کے علاوہ مختلف شخصیات اور جماعتوں کے خلاف مولانا ظفر علی خاں اور ان کے اخبار زمیندار کی جو محاذ آرائی اور "لام بندی" رہی ہے آج ان کا نام لیوا کوئی نہیں اور نہ ہی زمیندار سمیت ڈھونڈے سے ان کا کہیں سراغ اور نشان ملتا ہے۔ آخر یہ کیوں ہوا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

امتِ اسلامیہ کا باہمی اختلاف رحمت و مودّت کے دائرہ کے اندر ہونا چاہیے، اختلافات کو ہوا دینا جلتی پر پٹرول چھڑکنا اور خدا کے برگزیدہ بندوں کی تذلیل و توہین کرنا خداوند عالم کو ہرگز ہرگز پسند نہیں۔

اور جو لوگ دین اسلام کی سربلندی و تحفظ اور علماء اسلام کی عظمت کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں وہ لوگ یقیناً اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے — اس سلسلہ میں خوش آیند خبر ملی ہے کہ علماء دیوبند کے درمیان مصالحت کرانے کے لئے آئندہ ماہ ایک کنونشن کراچی میں منعقد کیا جا رہا ہے جس میں فی الحال صرف دیوبندی مکتب فکر کے علماء کو متحد و متفق کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس بات کا اہتمام پاکستان کے نامور قاری مولانا زاہر قاسمی صاحب کر رہے ہیں۔ یہ کوشش بڑی مبارک اور ملکی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ ملتان کی دینی جماعتوں کے کنوینر جناب حکیم سید محمد انور علی شاہ جالندھری بھی اپنے مقام پر اسی نوعیت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ہم ان سب مبارک کوششوں کا دل کی گہرائیوں سے خیر مقدم کرتے ہوئے اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔

نیز ہم یہ بھی عرض کئے دیتے ہیں کہ علماء کے اتحاد کی کوشش کا دائرہ صرف دیوبندی مکتب فکر تک محدود نہ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مجلسِ ذکر

روحانی اور جسمانی بیماریوں سے شفایابی کے لئے

قرآنی نسخے

از: حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم ———— مرتبہ: محمد عثمان غنی

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی : اَمَّا بَعدُ :-
فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ، بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ :-

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ ہ اَلرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ہ مٰلِکِ یَومِ الدِّینِ ہ اِیَّاکَ نَعبُدُ وَ اِیَّاکَ نَستَعِینُ ہ اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ ہ صِرَاطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیھِم ہ غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیھِم وَلَا الضَّآلِّینَ ع

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا، جزا کے دن کا مالک، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، نہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

اللہ کے ذکر سے تپِ دق جاتی رہی

اللہ کی قدرت دیکھئے، ایک دو خواتین اور ایک دو مرد تپِ دق کے مریض تھے اُن سے اتفاقاً جب بات چیت کا موقع ملا تو میں نے اُن سے عرض کیا کہ موت تو آنی ہی آنی ہے یہ اذکار آپ سیکھ ہی رہے ہیں، آپ اس خیال کو دل سے نکال دیں کہ آپ بیمار ہیں یا تندرست لیکن یہ سوچیں کہ جتنے بھی لمحے باقی ہیں وہ یادِ خدا میں کٹیں تاکہ کم از کم عاقبت تو برباد نہ ہو۔ خدا کی قدرت دیکھئے، انہوں نے اس قدر کثرت سے ذکرِ جہر کیا، نہ اُن کے پاس پیسے تھے کہ اس کا علاج کر سکیں، نہ وہ پرہیزی کھانا کھا سکتے تھے یعنی انڈے مکھن وغیرہ جس طرح کہ ڈاکٹر کہتے تھے لیکن اب آپ اندازہ لگائیے جس وقت آپ ذکر کرتے ہیں تو خون میں کس قدر گرمی آ جاتی ہے۔ یہ پہلوان جب چار سو بیٹھکیں لگائیں تب اتنی گرمی اور خون دوڑتا ہے ——— میرا چونکہ تجربہ ہے ——— حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دے رکھا ہے "زور تا لبِ گور" یعنی آخر تک ورزش جاری رکھو ——— آپ دو چیزوں کے بڑے خواہشمند تھے۔ ایک نماز اور دوسرے جسمانی صحت کے لئے ورزش۔ ہمیں اکھاڑے میں بھیجتے تھے خلیفہ چنن، کالے پہلوان کے والد یہاں آنے لگ گئے، حضرتؒ نے انہیں میرے متعلق حکم دیا کہ اسے عصر کے بعد لے جایا کرو اور مغرب تک چھوڑ جایا کرو۔ قلعے کے سامنے اکھاڑہ ہے کالے پہلوان کا، وہاں عصر کی اذان خود خلیفہ صاحب دیتے تھے اور میں نماز پڑھاتا تھا۔ تو خلیفہ صاحب نے حکم دیا کہ اس اکھاڑے میں جو بھی آئے نماز پڑھنے والا آئے، بے نماز نہ آئے۔ الحمد للہ، سو ڈیڑھ سو سے زیادہ پہلوان نماز پڑھتے تھے۔ ایک اللہ کے بندے کی ہدایت کا یہ نتیجہ نکلا۔ میں دونو نمازیں پڑھا کر مغرب کے بعد آیا کرتا تھا۔ حضرت مدنیؒ کا یہ حال تھا کہ اپنے بیٹے سے پوچھتے کہ بتاؤ کتنی بیٹھکیں اور ڈنڈ نکالے؟ میرے بعد سست تو نہیں ہوئے؟ اوپر تک اگر آپ تاریخ کھولیں تو شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ذکر اذکار بھی کرتے تھے اور جسمانی ورزش بھی کرتے تھے کیونکہ جہاد کے اندر لفّاظی سے کام نہیں چلتا۔ جب دلّی کی جامع مسجد تپ جاتی، دن کو سخت گرمی کے اندر پتھروں پر دوپہر کو زوال کے بعد ننگے پاؤں چلا کرتے تھے تاکہ اگر میدانِ جہاد میں آگ سے واسطہ پڑ جائے تو ہم راہِ خدا میں کمزور نہ پڑ جائیں۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے، چھوٹے بھائی حمید اللہ کو اور ایک کرنل ہمارے بھائی تھے، (وفات پا گئے ہیں) تینوں کو جمعے کے جمعے فجر کی نماز کے بعد تیرنا سکھاتے تھے، گھوڑے پر چڑھنا سکھایا۔ بندوق منگا کے نشانہ سکھایا، تمام اولیاء کرام اور علماء ربانی کا یہی طور طریقہ تھا۔ بہر حال میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ میں نے ذکر کی تلقین کی تو انہوں نے اتنا زیادہ زور سے کیا کہ پھیپھڑوں کی بیماری دُور ہو گئی اور آج مجھ سے زیادہ صحت مند ہیں وہ قطعی مایوس ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے بعد ان کو بھوک لگتی، پیاس لگتی، تو وہ روکھا سوکھا جو کھاتے وہ جزوِ بدن بنتا اس سے پہلے روحانی یا جسمانی ورزش نہ کرتے تھے اس لئے جو کھاتے تھے وہ جُوں کا توں نکل جاتا یا ہضم ہی نہ ہو پاتا تو چارپائی کے ساتھ لگ چکے تھے اور چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔

کلام الٰہی کی ایک اور معجزہ نمائی

چنانچہ بعض احباب جانتے ہیں راولپنڈی کے علاقہ میں قصبہ چونترہ میں ہم گئے تھے، وہاں راستہ ہی کوئی نہیں تھا، سڑک ہی نہ تھی ——— بڑے بڑے جنرل، کرنل اُس گاؤں کے رہنے والے تھے تو وہاں ایک مریض سے واسطہ پڑا گیا جو بالکل چارپائی سے لگا ہوا تھا، چند دنوں کا مہمان تھا۔ اللہ کی قدرت، یہی ذکر اذکار، یہی دعائیں، یہی مغفرت کے سامان ہمارے پاس جو دنیا میں ہر قسم کے امراض سے نجات کے لئے ہیں، یہی پڑھ کے اس پر دَم کر دیا اور اسے پانی بھی دَم کر کے دے دیا۔ اللہ نے اُسے شفاء کاملہ سے نوازا اور کچھ عرصہ کے بعد ہمارا ادھر پھر سفر ہوا تو وہ نوجوان تندرست و توانا اپنے

پاؤں سے چل کر مصافحہ کے لئے آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورتِ فاتحہ موت کے سوا ہر مرض کا علاج ہے۔ یہی ہم بتاتے ہیں کہ جب انسان چاروں طرف سے بالکل مایوس ہو جائے تو فجر کی نماز سے پہلے یعنی اذان اور اقامت کے درمیان یا بعد از صلوٰۃ بغیر کچھ کھائے پئے نہار منہ خود پڑھے یا کوئی دوسرا پڑھے، چالیس دن کرلے انشاء اللہ کوئی مرض رہ ہی نہیں سکتا۔ یہ میرا دعوےٰ ہے۔ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعوےٰ ہے میرا کیا ہے؟ آپؐ فرماتے ہیں موت کا تو کوئی علاج نہیں لیکن اگر موت نہیں تو پھر سورۂ فاتحہ سے بڑھ کر کوئی دوائی نہیں لیکن ایمان ہونا شرط ہے۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہمیں ایک اور گاؤں جانا پڑا۔ اس گاؤں اور چونترہ کے درمیان بیس پچیس میل کا فاصلہ تھا تو ہم تو پہچان نہ سکے۔ لوگوں نے کہا "آپ نے پہچانا؟" ہم نے کہا "نہیں"۔ کہنے لگے۔ "یہ وہی ہے جو بالکل موت کے منہ میں تھا اور اللہ کے کلام کی برکت سے یہ پیدل چل کر یہاں آیا ہے۔"

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ساری زندگی سحور کو ذکرِ جہر کرتے رہے۔ میں یہ یقین سے جانتا ہوں کہ انسان اگر ذکرِ قلبی کچھ جہراً کچھ سراً کرتا رہے تو انشاء اللہ کوئی مرض نہیں رہ سکتا۔ لیکن اس میں ایمان شرط ہے۔ دوائیاں بھی اللہ نے پیدا کی ہیں اور تاثیریں بھی اللہ ہی نے پیدا کی ہیں۔ سو آپ محسوس کرتے ہی ہیں کہ کس قدر گرمی، کس قدر خواہش اور پیاس پیدا ہوتی ہے اس وقت آپ دودھ پی لیں تو آپ کے لئے سونا بن جائے۔ اللہ کی رحمت ہے، کم خرچ بالا نشیں۔ بڑے بڑے سونے کے کشتے کھانے والوں سے انشاء اللہ آگے نکل جائیں گے بلند آواز سے خوب ذکر کیجئے۔ رات کو یقین جانئے جتنی سردی ہوگی پسینے چھوٹ جائیں گے اور اللہ والوں کی صورت آپ دیکھیں گے جو زیادہ ذکر کرنے والے ہیں وہ اللہ کا ذکر شروع کرتے ہیں تو ساری کمزوریاں اور سڑیاں دُور ہو جاتی ہیں۔

مایوس جرمن خاتون کو قرآن سے شفا ملی

میں جو اکثر واقعات سناتا رہتا ہوں۔ یہ ازدیادِ ایمان کا باعث بنتے ہیں۔ ڈاکٹر زین العابدین نے ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کے ساتھ برلن میں اقتصادیات میں پی، ایچ، ڈی کیا۔ یہ لوگ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے کرکے گئے۔ ڈاکٹر زین العابدین آج کل مکہ مکرمہ میں قیام فرما ہیں، اُن کے داماد اور ان کے بچے بڑے بڑے اونچے عہدوں پر سعودی عرب میں ہیں اور وہ بہار کے رہنے والے ہیں۔ اتنی لمبی داڑھی، اگر آپ دیکھیں تو کہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی نظر آ رہے ہیں۔ حضرتؒ کی ہمیشہ دعوت فرمایا کرتے تھے مصلّی حنفی پر پندرہ بیس منٹ ضرور تشریف لایا کرتے۔ اب اللہ کی قدرت کا ایک کرشمہ سنئے۔ ایک مرتبہ انڈیا سے ڈاکٹر زین العابدین موصوف حضرتؒ سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرتؒ سندھ تشریف لے گئے ہوئے تھے لہٰذا جمعہ کے خطبہ کے لئے ڈاکٹر صاحب کو مجبور کیا گیا۔ داڑھی سے لوگوں کو اندازہ یہی ہوگا کہ شاید عالم ہیں لیکن تقریر میں انہوں نے فرمایا۔ کہ میں عالم تو کوئی نہیں ہوں لیکن برلن سے پی، ایچ، ڈی ضرور ہوں۔ اور ان پر اثرات ایسے تھے علماء سے بھی کہیں زیادہ اللہ نے اُن کو روحانیت کا بلند مقام عطا کر رکھا تھا اور چہرے سے محسوس ہو رہا تھا کہ انوار ٹپک رہے ہیں۔ بہت پیاری اچھی تقریر کی۔ اس زمانے میں لاؤڈ سپیکر نہیں ہوتا تھا۔ حضرتؒ یہاں چھولٹ مسجد کے باہر کھڑے ہوکر تقریر کیا کرتے تھے۔ اور نماز آگے محراب میں پڑھایا کرتے تھے۔ چونکہ خواتین کے لئے وہاں سے آواز نہیں پہنچ پاتی تھی جب لاؤڈ سپیکر آیا تو پھر حضرتؒ نے منبر محراب کے پاس رکھوا دیا۔ تو یہیں ڈاکٹر زین العابدین صاحب نے تقریر کی یہ اس زمانے کی بات ہے۔ میں چھوٹا سا تھا۔ دارالعلوم دیوبند جانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ انہوں نے بہت سے واقعات بیان کئے جن سے ایمان تازہ ہوا۔ ایک واقعہ مجھے اب تک یاد ہے اور پھر میں حرمین میں اُن سے پوچھا بھی۔ وہ فرمانے لگے کہ برلن میں ہمارے استاد تھے اقتصادیات کے، دنیا میں اُس وقت سب سے بڑے ماہر گنے جاتے تھے نام بھی انہوں نے لیا لیکن اب مجھے نام یاد نہیں رہا۔ اللہ کی قدرت، فرمانے لگے کہ ان کی بیوی کے پیٹ میں ایسا شدید درد ہوا کہ ایک دن اور چند گھنٹے گذر گئے۔ نہ میاں سو سکے، نہ بچے سو سکے، نہ ان کے معالج ڈاکٹر سو سکے، نہ محلّے والے سو سکے۔ بچاری تڑپتی رہی مرض سمجھ میں آتا نہیں تھا، جو جو دوا دارو تھے سب آزما لئے۔ اخیر یہ ہے کہ وہ کہنے لگے کہ انہوں نے اس حد تک سوچ بچار شروع کی کہ اس کو کوئی انجکشن ہی دے دیا جائے تاکہ ٹھنڈی ہو جائے، اس طرح تو تڑپ تڑپ کر نہ مرے۔ اندازہ لگائیے۔ یعنی دھیرے دھیرے موت کا انجکشن دینے والی بات تھی۔ ڈاکٹر زین العابدین صاحب نے کہا۔ خدا را یہ بات نہ کیجئے۔ اسلام میں اللہ نے اجازت نہیں دی کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کریں۔ اللہ کی رحمت سے قطعی مایوسی گناہ ہے۔ اب وہ لوگ تو عیسائی تھے اور عیسائی بھی برلن کے عیسائی، ہٹلر کی مخلوق — تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ اللہ کی رحمت سے کسی لمحے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اسی لئے مسلمانوں میں خودکشیاں کم ہوتی ہیں۔ امریکہ، جاپان میں سب سے زیادہ خودکشیاں ہوتی ہیں کیونکہ خدا کے متعلق اُن کا تصوّر ہی غضب کا ہے اور اسلام میں خدا کی رحمت سے مایوسی کا تصوّر ہی نہیں ہے، ساری زندگی کفر و شرک میں گذری، تب بھی اللہ سے مایوس نہ ہوں، شاید اللہ تعالےٰ توبہ کی توفیق دے دے۔ نزع سے پہلے اگر توبہ کرے تو یقیناً جنّت میں جائے گا چونکہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا

ارشاد ہے۔ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ ط اس میں یہ نہیں کہا کہ بچپن میں پڑھے۔ یعنی نزع سے پہلے، سکرات سے پہلے، فرشتۂ اجل کی آمد سے پہلے اگر صدق دل سے پڑھے، اگر ایک بھی نماز نہ پڑھے تو سیدھا جنّت میں جائے گا چاہے ساری زندگی کفر کرتا رہا ہو۔ اندازہ لگائیے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہے۔ بہرحال وہ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ میں نے اُن سے کہا کہ مجھے بھی ایک نسخہ آزما لینے دو۔ کہنے لگے۔ کہ ایک گلاس پانی لیا اور میں نے علیحدگی میں سورۂ فاتحہ پڑھی اور دعا کی کہ یا اللہ! میں نے تیرا کلام پڑھا ہے اور تیرے ہی یہ بندے ہیں، میرا اس میں کوئی کمال نہیں۔ اگر اسے شفا ہو جائے تو آج اسلام کی عظمت کا سکہ جم جائے گا اور میری سفید داڑھی کی لاج ضرور رکھنا جو کہ حضورِ انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع میں رکھی گئی ہے۔ خدا کی قدرت، پانی کا پلانا تھا کہ وہ بالکل تندرست ہو گئی۔ بڑے بڑے ڈاکٹر سب حیران رہ گئے۔ کہ یہ آپ نے کیا جادو کیا؟ فرمایا۔ جادو کچھ نہیں کیا، اللہ کا کلام پڑھا ہے۔ وہ پہلے تو بتانے پر مُصِر تھے۔ اور یہ منکر تھے کہ ان کو اعتقاد تو ہے نہیں قرآن پر، خواہ مخواہ کہیں تذلیل میری بھی نہ ہو قرآن کے ساتھ اور قرآن کی نہ ہو میرے ساتھ۔ بتلاتے ہی نہیں تھے لیکن جب انہوں نے اصرار کے بعد بتایا تو سب کہنے لگے کہ اللہ اکبر! چونکہ یہ اللہ کا کلام ہے، بلفظہٖ، بعینہٖ یہ اللہ کا نام ہے، اس لئے اس کی شفاء یقینی اور صحیح ہے۔ ان کا اس پر ایمان ہو گیا۔ اب ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں جب کسی کو کوئی تکلیف ہوتی گلاس لئے ہوئے آتا ہے۔ کہنے لگے۔ جس جس کو پڑھ کے دیا، خدا کی قدرت وہ پھر پادریوں کو بھول گئے میرے ہی معتقد ہو گئے۔ پھر کہنے لگے کہ مجھے خاص طور پر نماز کا اہتمام کرنا پڑا کہیں یہ نہ کہیں کہ یہ اتنا بڑا مذہبی آدمی ہو کر نماز کا اہتمام نہیں کرتا کیونکہ وہ پادری بڑا اونچا معیار رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں علماء کا وہ معیار نہیں ہے جو وہاں پر پادریوں کا ہے۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب نے اُن کے مقابلے میں ٹکّر لی اور اُن سب کو نیچا دکھایا۔ ڈاکٹر زین العابدین یہاں پر تقریر فرما رہے تھے۔ کہنے لگے کہ آج اگر ہمارے اندر ایمان ہو تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں اس وقت کُودے تھے تو آگ اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ میں اب کُودنے کو تیار ہوں۔ آپ آگ لائیے، انشاء اللہ کبھی میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کی صداقت کے لئے، اللہ تعالےٰ کے رسولؐ کی صداقت کے لئے میں یوں کروں گا۔ اندازہ لگائیے، ایمان اپنا اپنا ہے۔

لاعلاج بچّے کا قرآنی علاج

حضرت رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، جن اکابر سے میں نے حدیث اور قرآن پڑھا ہے وہ سورۂ فاتحہ کا جب ذکرِ خیر آتا تو فرمایا کرتے تھے کہ میں سب کو اجازت دیتا ہوں اور آپ بھی اجازت دیجئے کیونکہ اجازت دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عامل کی قوتِ ارادی اس میں مؤثر ہوتی ہے جو ان کے ایمان کی قوت ہے، اگر اجازت ہو وہ نیچے منتقل ہوتی جاتی ہے — بہرحال یہ سورۂ فاتحہ آپ آزمائیے۔ یہاں سامنے سکول میں ایک ماسٹر اقبال صاحب پڑھاتے تھے، اب وفات پا گئے ہیں۔ ہمارے محلّے میں رہتے تھے، اُن کا بچہ بالکل سوکھ کر لاغر ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے کہا اس پر زیادہ پیسے نہ خرچ کیجئے، یہ چند گھنٹوں کا مہمان ہے، آرام سے اس کی جان نکلنے دیجئے۔ چھوٹا سا بچہ تھا۔ ڈاکٹروں نے مایوس کر دیا۔ ویسے ماسٹر اقبال صاحب ہمارے عقیدے کے نہیں تھے، دوسرے خیال کے تھے، انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم اس بچّے کو حضرتؒ کے پاس لے جاؤ۔ وہ بچاری بچّے کو لے کر ہمارے ہاں آئی تو والدہ مرحومہ نے فرمایا کہ میں قرآن شریف پڑھا کرتی ہوں اور اس میں سورتِ فاتحہ بھی پڑھا کرتی ہوں تم چالیس دن اس بچے کو پانی پلا دو انشاء اللہ اگر اللہ نے زندگی رکھی ہے تو تم ڈاکٹروں کی پرواہ ہی نہ کرو۔ وہ بچاری رو رہی تھی کہ یہ تو بس اب ختم ہے۔ خدا کا کرنا پہلے دن، دوسرے دن، تیسرے دن فرق پڑتے پڑتے چالیس دن کے بعد بچّہ بالکل بھلا چنگا تندرست ہو گیا اور اب وہ دُکان کرتا ہے۔ مجھے ملتا ہے، اللہ کی قدرت، مجھے یاد ہے کہ جب چالیس دن گذر گئے تو وہ پھل اور ہار جس میں نوٹ پروئے ہوئے تھے، والدہ مرحومہ کو پہنانے کے لئے لے کر آئی تو حضرتؒ نے پوچھا یہ کیا قصّہ ہے؟ تو انہوں کہا جی وہ بچّہ تھا، سب ڈاکٹروں نے ان بچاروں کو مایوس کر دیا تھا۔ آج یہ الحمدللہ چالیس دن کے بعد بالکل توانا اور صحت مند ہے۔ وُہ خاتون کہنے لگی کہ یہ میں والدہ صاحبہ کے کپڑے اور یہ ہار خوشی سے لائی ہوں حضرتؒ نے فرمایا چونکہ اللہ کا کلام پڑھ کے دَم کیا گیا، کوئی دنیا کا کام نہ تھا نہ اس پر کوئی دمڑی پائی خرچ ہوئی اس لئے یہ ہار اور یہ کپڑے بالکل اس وقت جائز نہیں ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا قرآن میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ز (البقرہ آیت ۴۱) میری آیتوں کا مول نہ لو — تو ہم نے تمہیں کوئی دوا نہیں دی، کوئی دارو نہیں دیا۔ کلام اللہ یہ پڑھتی تھیں، تم نہ بھی آتیں تب بھی انہیں پڑھنا تھا، اثر اللہ کے کلام نے کیا، تم خدا کا شکر ادا کرو۔ لیکن اس وقت قطعاً ایک پائی بھی ہمارے اوپر حرام ہے۔ وہ مانتی ہی نہیں تھیں، سمجھتی ہی نہیں تھیں کہ جہاں جہاں گئے ہیں تعویزوں کے پیسے لیتے ہیں، بہرحال بچاری جاہل عورت تھی، حضرتؒ نے نہیں لینے دیے۔ اسی طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو بھی سورۂ فاتحہ کو آزمانے کی توفیق دیں تو ضرور آزمائیے۔ میری طرف سے سب کو اجازت ہے بلکہ اجازت دینے کی بھی اجازت ہے۔ چالیس دن تک اکتالیس مرتبہ روزانہ مع بِسْمِ اللّٰہ پڑھنا چاہئے اگر میم کے نیچے زیر لگا کر اور الحمد للہ کے ساتھ ملا کر

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

عصمتِ انبیاء علیہم السلام اور حرمتِ صحابہ کرام رض

ایک حقیقت پسندانہ علمی تجزیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ

بصائر و عبر یہ حقیقت مسلّم اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ نبوت و رسالت وہ اعلیٰ ترین منصب ہے جو حق تعالیٰ ذکرہٗ کی طرف سے مخصوص بندوں کو عطا کیا جاتا ہے، تمام کائنات میں انسان اشرف المخلوقات ہے اور نبوت، انسانیت کی آخری معراج کمال۔ انسانیت کے بقیہ تمام مراتب و کمالات اس سے پست اور فروتر ہیں۔ انسانی فکر کی کوئی بلندی نبوت کی حدوں کو نہیں چھو سکتی، نہ انسانیت کا کوئی شرف و کمال اس کی گردِ راہ کو پہنچ سکتا ہے اس سے اوپر بس ایک ہی مرتبہ ہے، اور وہ ہے حق تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت کا مرتبہ! منصب نبوت عقولِ انسانی سے بالاتر ہے، اس کی پوری حقیقت صرف وہی جانتا ہے جس نے یہ منصب عطا فرمایا یا پھر ان مقدس ہستیوں کو معلوم ہو سکتی ہے جن کو اس منصب رفیع سے سرفراز کیا گیا۔ ان کے علاوہ تمام لوگوں کا علم و فہم سرِ نبوت کی دریافت سے عاجز اور عقل اس کی ٹھیک ٹھیک حقیقت و کُنہ کے ادراک سے قاصر ہے جس طرح ایک جاہل علم کی حقیقت سے بے خبر ہے، اسی طرح غیر نبی، نبوت کی حقیقت سے نا آشنا ہے، اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ رسالت و نبوت کا منصبِ رفیع تو در کنار معمولی ہنر و فن کا بھی یہی حال ہے، کسی فن کی صحیح حقیقت تک رسائی اسی صاحب کمال کے لیے ممکن ہے جسے وہ فن حاصل ہو، اور اسی حد تک ممکن ہے، جس حد تک اسے فنی رسوخ و کمال حاصل ہو۔

ہمارے حضرت استاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی (نور اللہ مرقدہ) فرمایا کرتے تھے کہ۔

"نبوت تو کیا اجتہاد کی حقیقت کے ادراک سے بھی ہم قاصر ہیں۔"

یعنی "اجتہاد" کے بارے میں جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ محض اس کی ظاہری سطح ہے، اور جتنی معلومات ہمیں حاصل ہیں وہ صرف سطحی معلومات ہیں (جسے منطقی اصطلاح میں علم بالوجہ کہتے ہیں) ورنہ اجتہاد کی حقیقت کا صحیح ادراک صرف مجتہد کو ہو سکتا ہے۔ جسے یہ ملکہ حاصل ہو۔ اسی طرح نبوت کا علم بھی عام انسانوں کو محض آثار و لوازم کے اعتبار سے ہے نبی علیہ السلام کے بارے میں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ۔

نبوت کے لیے حق تعالیٰ جل ذکرہ ایک ایسی برگزیدہ اور معصوم شخصیت کا انتخاب فرماتا ہے جو اپنے ظاہر و باطن قلب و قالب، روح و جسد ہر اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ وہ ایسا پاک طینت اور سعید الفطرت پیدا کیا جاتا ہے کہ اس کی تمام خواہشات رضا و مشیت الٰہی کے تابع ہوتی ہیں۔ ردائے عصمت اس کے زیب تن ہوتی ہے، حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہر دم اس کی نگرانی کرتی ہے اس کی ہر حرکت و سکون پر حفاظت خداوندی کا پہرہ بٹھا دیا جاتا ہے اور وہ نفس و شیطان کے تسلط و استیلاء سے بالاتر ہوتا ہے۔ ایسی شخصیت سے گناہ و معصیت اور نافرمانی کا صدور ناممکن اور منطقی اصطلاح میں محال و ممتنع ہے اسی کا نام عصمت[1] لازمۂ نبوت ہے جس طرح یہ تصور کبھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی لمحہ نبوت، نبی سے الگ ہو جائے اسی طرح اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ عصمت نبوت اور نبی سے ایک آن کے لیے بھی جدا ہو سکتی ہے۔ معاذ اللہ۔

حضرت علماء نے تحقیق فرمائی ہے، کہ ایک ہے معصوم! اور ایک ہے محفوظ! معصوم وہ ہے جس سے گناہ و معصیت کا صدور محال ہو، اور محفوظ وہ ہے جس سے صدور معصیت محال تو نہ ہو لیکن کوئی معصیت صادر نہ ہو یا آسان اور سادہ لفظوں میں یوں تعبیر کریں گے کہ معصوم وہ ہے جو گناہ کر ہی نہیں سکتا اور محفوظ کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کر تو سکتا ہے لیکن کرتا نہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیاء کرام رحمہم اللہ محفوظ ہیں۔

الغرض نبوت و رسالت کے عظیم ترین منصب کے لیے حق تعالیٰ اسی شخصیت کو بحیثیت نبی و رسول کے منتخب کرتا ہے جو حسب و نسب، اخلاق و اعمال عقل و بصیرت، عزم و ہمت اور تمام کمالات میں اپنے دور کی فائق ترین شخصیت ہو۔ نبی تمام جسمانی و روحانی کمالات میں یکتائے زمانہ ہوتا ہے اور کسی غیر نبی کو کسی معتد بہ کمال میں اس پر فوقیت نہیں ہوتی، قرآنی و شرعی الفاظ میں اس شخصیت کا انتخاب، اصطفاء اور اجتبار خود حق تعالےٰ فرماتا ہے کون نہیں جانتا کہ حق تعالےٰ کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ اس کے لیے ظاہر و باطن اور سر و جہر سب عیاں ہے۔ ماضی و مستقبل اور حال کے تمام حالات بیک وقت اس کے علم میں ہیں اس میں نہ غلطی کا امکان نہ جہل کا تصور، قرآن کریم کی بے شمار آیات میں یہ حقیقت بار بار بیان کی گئی ہے۔

ان اللہ کان بکل شیٔ علیما (النساء رکوع ۱۵)

اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

وما یعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء (یونس رکوع ۷)

اور غائب نہیں تیرے رب سے کوئی ذرہ بھر چیز بھی نہ زمین میں نہ آسمان میں

یعلم سرکم وجھرکم (الانعام ع ۱)

وہ جانتا ہے تمہارے پوشیدہ کو اور ظاہر کو۔

ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ کا علم محیط نبوت و رسالت کے لیے

---

[1] اس کے یہ معنی نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے قدرت سلب کر لی جاتی ہے بلکہ عصمت کا مدار ان ہی دو چیزوں پر ہے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا، یعنی اول تو ان کی فطرت اتنی پاکیزہ اور مصفیٰ مزکیٰ ہوتی ہے کہ وہ گناہ و معصیت کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور گناہ کا تصور فطرۃً ان کے لیے ناقابل برداشت ہے دوم یہ کہ حفاظت الٰہی کی نگرانی ایک لمحہ کے لیے ان سے جدا نہیں ہوتی ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں کے ہوتے ہوئے صدور معصیت کا امکان نہیں رہتا۔ (مدیر)

کسی شخصیت کو منتخب کرے گا تو اس میں کسی نقص کے احتمال کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اس منصب کے لیے جس مقدس ہستی پر حق تعالیٰ کی نظرِ انتخاب پڑے گی اور جسے تمام انسانوں سے چھانٹ کر اس عہدہ کے لیے چنا جائے گا وہ اپنے دور کی کامل ترین، جامع ترین، اعلیٰ ترین اور موزوں ترین شخصیت ہوگی۔

البتہ خود انبیاء رسل کے درمیان کمالات و درجات میں تفاوت اور فرقِ مراتب اور بات ہے۔

نیز یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ نبوت و رسالت محض عطیہ الٰہی ہے۔ کسب و اکتساب سے اس کا تعلق نہیں کہ محنت و مجاہدہ اور ریاضت و مشقت سے حاصل ہو جائے دنیا کا ہر کمال محنت و مجاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن نبوت و رسالت، حق تعالیٰ کا اجتبائی عطیہ ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اس منصب کے لیے چن لیتا ہے۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں یہ تصریحات موجود ہیں۔

اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً ومن النّاس۔ (الحج ع ۱۰)

اللہ چن لیتا ہے فرشتوں سے پیغامبر اور انسانوں سے۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ (الانعام ع ۱۵)

اللہ کو خوب علم ہے جہاں رکھتا ہے وہ اپنے پیغامات۔

ان حقائقِ شرعیہ کو سمجھ لینے کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی نبی و رسول فرائض نبوت میں کوتاہی بھی کر سکتا ہے، کجا کہ کسی نبی نے۔ معاذ اللہ۔ اپنے فرائض منصبی میں کوتاہیاں کی ہوں۔ اس لیے یہ کہنا کہ "فلاں نبی سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں"— "نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا" یا یہ کہ "فلاں نبی بغیر اذن الٰہی کے اپنی ڈیوٹی سے ہٹ گیا"۔ انتہائی کوتاہی کی بات ہے اور وہ اپنے اندر بڑے سنگین مضمرات رکھتی ہے۔ اسی طرح کسی مشکل مقام کی تہ کو نہ پہنچنے کی بنا پر یہ اٹکل پچو کلیّہ گھڑ لینا کہ "عام انسانوں کی طرح نبی بھی مومن کے بلند ترین معیارِ کمال پر ہر وقت قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ بھی بسا اوقات تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے اور جب اللہ کی طرف سے اسے متنبہ کیا جاتا ہے، کہ یہ عمل محض ایک "جاہلیت کا جذبہ" ہے تو نبی فوراً اصلاحی طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتا ہے"۔ نہایت خطرناک بات ہے اور مقامِ نبوّت سے ناشناسائی کی عبرت ناک مثال ہے۔

ع: چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اسی طرح یہ کہنا کہ نبی اور رسول پر کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے... اور آنا چاہیئے جبکہ اس سے عصمت کا پردہ اٹھا لیا جاتا ہے اور اس سے ایک دو گناہ کروائے جاتے ہیں تاکہ اس کی بشریت ظاہر ہو"۔ یہ ایک ایسا خطرناک قسم کا غلط فلسفہ (سوفسطائیت) ہے جس سے تمام شرائع الٰہیہ اور ادیانِ سماویہ کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔

نبوت سے عصمت کے جدا ہو جانے کے معنیٰ یہ ہوئے کہ عین اس وقت نبی کی حیثیت ایک ایسی شخصیّت کی نہیں ہوتی جو امت کے لیے اسوہ اور نمونہ ہو اور جسے امین و مامون قرار دیا گیا ہو اس وقت اس کی حیثیت ایک عام انسان کی سی ہوگی یا زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہیے کہ عین اس حالت میں جب کہ نبی سے عصمت اٹھا لی جاتی ہے وہ نبوّت اور لوازمِ نبوّت سے موصوف نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ غلط منطق تسلیم کر لی جائے تو سارا دین ختم ہو جاتا ہے، نبی اور رسول کی ہر بات — معاذ اللہ — مشکوک ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی قول و عمل اور تلقین تعلیم قابلِ اعتماد نہیں رہتی، کیونکہ ہر لمحہ یہ احتمال رہے گا کہ شاید یہ ارتفاعِ عصمت اور انخلاع عن النبوّت کا وقت ہو— بظاہر یہ بات جو بڑے حسین و جمیل فلسفہ کی شکل میں پیش کی گئی ہے، غور کیجیے تو یہ اس قدر غیر معقول اور ناقابلِ برداشت ہے کہ کوئی معقول آدمی جو شریعت الٰہی کو سمجھا ہو، اس کی جرأت تو کجا؟ اس کا تصوّر تک نہیں کر سکتا جن لوگوں کی زبان و قلم سے یہ بات نکلی ہے — اور افسوس ہے کہ بڑے اصرار تکرار سے مسلسل نکلتی ہی جا رہی ہے — ان کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ انھیں نہ علم کی حقیقت تک رسائی ہوئی ہے نہ نبوّت کے تقاضوں کو انہوں نے صحیح سمجھا ہے۔

اور یہ بات بھی کسی علم و دانش کا پتہ نہیں دیتی کہ جب تک ہم انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو عام انسانوں کی طرح دو چار گناہوں میں مبتلا نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہمیں ان کی بشریت کا یقین ہی نہیں آئے گا — کون نہیں جانتا کہ انبیاءِ کرام (علیہم السّلام) کھاتے ہیں، پیتے ہیں، انھیں صحت و مرض جیسے بیسیوں انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں، وہ انسانوں سے پیدا ہوتے ہیں اور ان سے انسانی نسل چلتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ بار بار اپنی بشریت کا اعلان فرماتے ہیں۔ کیا ان تمام چیزوں کے بعد بھی اس بات کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ جب تک ان سے عصمت نہیں اٹھا لی جاتی اور دو ایک گناہ نہیں ہونے دیئے جاتے تب تک ان کی بشریت مشتبہ رہے گی؟ اور ہمیں ان کی بشریت کا یقین نہیں آئے گا؟

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بھول چوک اور خطا و نسیان تو خاصۂ بشریت ہے مگر گناہ و معصیت مقتضائے بشریت نہیں بلکہ خاصۂ شیطنیّت ہے، انسان سے گناہ ہوتا ہے تو محض تقاضائے بشریت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ شیطان کے تسلّط و اغوا سے ہوتا ہے۔ اس لیے گناہوں کے ارتکاب سے انبیاءؑ علیہم السّلام کی بشریت ثابت نہیں ہوگی بلکہ اور ہی کچھ ثابت ہوگا۔ اور جو لوگ "بھول چوک اور معصیّت" کے درمیان فرق نہیں کر سکتے انھیں آخر کس نے کہا ہے کہ وہ ان نازک علمی مباحث میں الجھ کر ضلوا فاضلوا کا مصداق بنیں۔

بہر حال یہ عصمت اور کمالاتِ نبوّت تو ہر نبی کے لیے لازم و ضروری ہیں، اب غور فرمائیے کہ جس مقدس ترین شخصیت کو تمام انبیاء رسل کی سیادت و امامت کے مقام پر کھڑا کیا گیا ہو، جسے ختمِ نبوّت و رسالتِ کبرائی کا تاج پہنایا گیا ہو اور جسے ع

"بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر"

کے اعلیٰ ترین منصب سے سرفراز کیا گیا ہو (بابآئنا و امہاتنا صلّی اللہ علیہ وسلّم) کائنات کی اس بلند ترین ہستی کے شرف و کمال، طہارت و نزاہت، حرمت و عظمت۔ عفت و عصمت اور رسالت و نبوّت کا مقام کون معلوم کر سکتا ہے؟ اگر ایسی فوق الادراک ہستی کے بارے میں بھی کوئی ایسا کلمہ کہا جائے کہ کسی وقت غیر معصومیّت ان پر بھی آ سکتی ہے تو کیا اس عظیم ترین جرم کی انتہا معلوم ہو سکتی ہے—؟ (باقی آئندہ)

مولانا سمیع الحق مدیر الحق اکوڑہ خٹک

تحدیدِ ملکیّت کا اسلامی تصوّر

(گذشتہ سے پیوستہ)

تو جہاں تک اصل مسئلہ انفرادی اور شخصی ملکیّت کا تعلق ہے۔ خواہ املاک منقولہ ہوں یا غیر منقولہ ہوں۔ اسلام نے اسے انسان کا فطری حق بنایا ہے۔ نہ تو اس کی تحدید کی جاسکتی ہے اور نہ عصرِ حاضر کے لا دینی اقتصادی نظاموں کے علمبردار اس میں قطع برید کرسکتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے آیتہ اولم یروا انّا خلقنا لھم ممّا عملت ایدینا انعامًا فھم لھا مالکون۔ میں انسان کی شخصی ملکیّت پر مہر ثبت کردی ہے اور قرآن کی بے شمار آیتیں اس جملہ فھم لھا مالکون (پس وہ اس کے مالک ہیں) کی تائید کرتی ہیں۔ جو لوگ انّ الارض للّٰہ (زمین اللہ کی ہے)، قسم کی آیات کو آگے پیچھے سے کاٹ کر اپنے مدعی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہاں متصلاً اللہ نے خود یورثھا من یشاء (وہ جسے چاہے زمین کا وارث بنا دے) یا اس کے ہم معنیٰ الفاظ میں انفرادی ملکیت بیان کرکے ایسے لوگوں کا مذاق اُڑایا ہے قل اللّٰھم مٰلک الملک کیساتھ تؤتی الملک من تشاء بھی ہے اور والذین یکنزون الذھب والفضّۃ کے ساتھ ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ کی قید انسان کی انفرادی، مالکیّت کا اعلان کررہی ہے پھر وُہ اسے اپنی ملکیت میں ہرجائز تصرّف کرنے اور اسے اپنی ملکیت سے منتقل کرنے کا حق بھی دیتا ہے۔ چنانچہ بیع، شراء، ہبہ، تملیک اعتاق تدبیر، کتابت، اجارہ، اعارہ، مزارعۃ، وقف، رہن قرض، صدقہ، وصیّت، میراث وغیرہ، اس تصرّف کے شواہد عدل ہیں۔ اسی طرح وہ کسی دوسرے مسلمان کے مال و دولت میں ناجائز دست اندازی سے بچنے کو ایمان کی اوّلین علامت قرار دیتا ہے۔ ظلم و تعدّی، چوری، ڈاکہ، خیانت غصب، لوٹ کھسوٹ، جبر و استحصال کو حرام قرار دے کر اسلام انسان کی شخصی ملکیت ہی کا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔ وُہ یکساں طور پر سرمایہ دار اور غریب دونوں کو ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (ایک دُوسرے کے مال کو ناحق نہ کھاؤ) سے مخاطب کرتا ہے۔ الا لا یحلّ مال امرئ الا بطیب نفسٍ منہ الحدیث (خبردار کسی ایک کا مال دُوسرے کو بغیر اس کی مرضی کے حلال نہیں)

~…~✶~…~

پس جو لوگ سوشلزم کو تمام معاشی بربادیوں کا مداوا سمجھتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کے بھیجے ہوئے عادلانہ نظامِ اسلام کے تمام اصول و فروع کو تہس نہس کرنا چاہتے ہیں بلکہ لوٹ کھسوٹ اور انسان کے تمام حقوق کی پائمالی و بربادی کا ایک ایسا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں۔ جس میں نہ صرف غریب اپنے رہے سہے سُکھ اور چین سے محرُوم ہوجائے بلکہ پوری قوم چند خونخوار درندوں کی جماعت کے رحم و کرم پر رہ جاتی ہے۔ اسلام کے مذکورہ تمام اصُول کو ایک طرف رکھ کر ایک لمحہ کے لیے فرض کرلیں کہ سوشلزم آجاتا ہے اور وُہ پوری قوم کو حقِ ملکیّت سے محروم کرکے اللہ کی دی ہوئی تمام دولت اور وسائل معاش کو ایک پارٹی کے حوالے کردیتا ہے تو کیا وہ پارٹی انسانیت کو اس کے تمام حقوق دلا دے گی اور کیا وہ پارٹی موجُودہ معاشرہ ہی سے ابھر کر سامنے آئی ہوگی۔ یا آسمان سے فرشتوں کی شکل میں اترے گی۔ لیکن اگر اس کی، اٹھان اس معاشرہ سے ہو جسکا مشت نمونۂ خروار ۳۰۳ بدعنوان افسروں کی شکل میں سامنے آچکا ہے اور اس کا حل و عقد اس بیو روکریسی کے ہاتھوں میں ہو جو فائل کی سطح پر بڑے بڑے پراجیکٹ کھڑے کرکے پھر اُسے نذرِ سیلاب بھی کردیتی ہے اور اس طرح، کروڑوں روپلے ہضم کرکے فائل داخلِ دفتر کردیتی ہے۔ تو خدا را سوچیئے کہ ایسے لوگوں کا لایا ہوا سوشلزم یا کوئی بھی معاشی نظام انسان کے مال و جان اور اس کے حقوق میں مساوات قائم رکھ سکے گا؟ ہرگز نہیں سوشلزم کی بنیاد تاریخ کی مادی تعبیر پر ہے۔ جس میں نہ خوفِ خدا کی گنجائش ہے۔ نہ محاسبۂ آخرت کی اور نہ کسی کو تنقید اور نصیحت کی۔ اس کے مقابلے میں اسلام ہے جو ایک ایسا معاشرہ تعیر کرتا ہے جو ہر لحہ اور ہرعمل میں خدا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ آخرت کا محاسبہ اس کے دل میں رچا بسا ہوتا ہے، ہر فرد کو دُوسرے پر ظلم و غصب اور ہر برائی سے روکنے کا پورا حق ہے اور وہ امیر کو بھی چاہیے تو تلوار سے درست کرسکتا ہے وہ اگر اسلامی قلمرو کے دوسرے سرے پر کسی کتے کے بھوک و پیاس سے مرجانے کی خبر سُنتا ہے۔ تو اللہ کے سامنے جواب دہی کے تصوّر سے تڑپنے لگتا ہے وُہ ہر انسان کی بھوک و پیاس کو اپنی حاجت سمجھتا ہے۔ اور جذبۂ ایثار سے خود فقیر رہ کر دُوسروں کو اپنی متاع کا مالک بنا دیتا ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے معاشی مسائل کی بنیاد مساوات پر نہیں بلکہ مؤاسات پر رکھی، وہ معاشی ناہمواری کو جبر سے نہیں بلکہ ایمان اور یقین کی بیداری سے حل کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے ایسا معاشرہ قائم کیا۔ خلافتِ راشدہ اس کی واضح مثال ہے دوسری طرف سوشلسٹوں کے طور طریقے تھے اور جبروظلم کی اساس پر ایک ایسی عمارت اٹھائی گئی جونصف صدی میں دم توڑتی نظر آنے لگی ہے "تاریخ کی اس مادی تعبیر" پر تازہ چانٹا حال ہی میں رُوس کے سیکرٹری جنرل برزنیف نے یہ کہہ کر رسید کیا۔ کہ روس میں سوشلسٹ نظام عملاً ناکام ہوچکا ہے اور اسطرح فشھد شاھدٌ من اھلھا کا ایک نمونہ سامنے آگیا۔ الغرض ہمارے پاس معاشی اور معاشرتی یگانگت کے لیے اسلام جیسا نسخۂ کیمیا موجُود ہے مگر افسوس اور صد افسوس کہ نہ تو ہم نے اسے سمجھا نہ پرکھا اور نہ کبھی آزمایا۔ ومن لم یذق لم یدر۔ کے

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

~…~✶~…~

ہماری اس بے علمی اور حقیقت سے بے خبری سے موجُودہ دور کے ابن الوقت سیاستدانوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ بیچارے عوام اسے اپنی ساری بربادیوں کا تریاق سمجھ کر ان کے پیچھے دوڑنے لگے۔ اور اس حقیقت سے غافل ہو گئے کہ چور اپنی کمین گاہ تک پہنچاکر رہی سہی پونجی سے بھی ہمیں محرُوم کردیگا۔ بات ناشائستہ سی ہے مگر مثال خوب چسپاں رہے گی کہ ہمارے علاقہ میں بچّہ کا ختنہ کراتے وقت عمومًا بچے کو ادھر ادھر کی بھول بھلیوں میں بہلایا جاتا ہے اور ختنہ کا عین موقعہ ہوتا

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

درس قرآن

اخروی زندگی کو دنیاوی زندگی سے بہتر سمجھو

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہٗ
مرتبہ : محمد عثمان غنی

(۲)

اب انشاء اللہ آپ ربط سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے انکار کی وجہ کیا ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۝ تم تو دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ۝ اُخروی زندگی بہتر بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۝ صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی ۝ حضرت ابراہیمؑ سے بھی میں نے یہی کہا، حضرت موسیٰؑ سے بھی میں نے یہی کہا کہ اپنے وقت کے ان کافروں کو، ان معاندوں کو، ان اللہ کے دشمنوں کو یہ بات بتا دو کہ جس زندگی کے لئے تم اپنے خالق کو چھوڑ رہے ہو، یہ تو اتنی معمولی ہے کہ اس کا تو اُس زندگی کے مقابلے میں کوئی تناسب نہیں ہے سیدالانبیاء جناب محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلم کی حدیث ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ دنیاوی زندگی، اس کا یہ طول و عرض، یہ سارے کے سارے قیامت کے مقابلے میں یوں سمجھ لیجئے جیسا کہ سمندر میں کوئی آدمی اپنی انگلی ڈبو کر نکالے تو اس کی انگلی کے ساتھ جو پانی لگ جاتا ہے، اُس پانی کی کیا نسبت ہے سمندر کے پانی کے ساتھ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بات سمجھائی کہ جس زندگی کو تم ترجیح دیتے ہو اللہ کی مرضی پر، جس زندگی کے تقاضوں کو تم پورا کرتے ہو اللہ کے حکموں کے مقابلے پر، جس زندگی کو تم بہتر سمجھتے ہو قیامت کی زندگی سے، یہ زندگی تو کچھ بھی نہیں ہے قیامت کی زندگی کے مقابلے میں۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہیں سے بات آ کر ٹکراتی ہے۔ جب انسان کے سامنے اللہ کا حکم آ جاتے اور دنیاوی زندگی کا تقاضا آ جائے تو پھر اس وقت پتہ چل جاتا ہے کہ ایمان ہے یا نہیں (اللہ مجھے آپ کو ایسے امتحانوں میں کامیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ جب ہمارے سامنے دو باتیں آ جائیں۔ ایک ہماری دنیاوی زندگی کا تقاضا اور ایک ہماری اُخروی زندگی کا تقاضا —— اسلام دنیاوی زندگی کے خلاف نہیں ہے —— اسلام تو صرف یہ چاہتا ہے، کہ دنیاوی زندگی کو اُخروی زندگی پر ترجیح نہ دی جائے۔ یعنی جب ٹکراؤ پیدا ہو دنیاوی زندگی میں اور اخروی زندگی میں تو دنیاوی زندگی کو بہتر نہ سمجھو بلکہ اُخروی زندگی کو بہتر سمجھو۔ اگر دنیاوی زندگی کے مقابلے میں اُخروی زندگی کو بہتر سمجھا گیا تو پھر یہ کامیابی ہے۔ اور اگر دنیاوی زندگی کو اُخروی زندگی کے مقابلے میں بہتر سمجھا گیا۔ تو پھر ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝ (الحج ۱۱) ہے۔ اس سورتِ ابراہیم میں رب العالمین نے اسی کو بیان فرمایا۔

ارشاد فرمایا۔ الٓرٰ تفہ یہ بھی وہی حروفِ مقطعات ہیں جن کے متعلق سورتِ بقرہ اور دوسری سورتوں کے شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ بعض سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات آتے ہیں اور ان حروفِ مقطعات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سورت میں جو آنے والا مضمون ہے اس مضمون کو تم معمولی نہ سمجھو۔ اس پر یقین رکھو، یہ بات ہو کر رہے گی۔ جس طرح تمہیں الٓرٰ پر یقین ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے باوجود اس کے کہ تم سمجھ نہیں سکتے کہ ترجمہ اس کا کیا ہے حروفِ مقطعات کے متعلق یہی فیصلہ ہے کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ۔ (اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان کلمات سے کیا مراد ہے) تو فرمایا جس طرح تم الٓرٰ کی مراد اور معنیٰ نہ سمجھنے کے باوجود مسلمان ہونے کے اعتبار سے یہ مانتے ہو کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اسی طرح اس سورت میں جو مضامین آگے آ رہے ہیں، ان مضمونوں کی صداقت میں، اُن کے وقوع کے اندر کسی قسم کا شک نہ کرو، اُن کو بھی مانو کہ وہ بھی من جانب اللہ ہیں۔ مثلاً جس نبی (علیہ السلام) کے متعلق تم آج یہ کہتے ہو کہ مکے والو! کہ لَسْتَ مُرْسَلًا ط (تو رسول نہیں ہے) اور تم یہ کہتے ہو کہ تھوڑے زمانے کے بعد (نعوذ باللہ) یہ کھیل ختم ہو جائے گا، تم کیا جانتے ہو، یہ زندگی اور یہ نبوت اور یہ رسالت تو قیامت تک باقی رہے گی۔

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ السَّمَآءِ لَاتَغْرُبُ

فرمایا، پہلوں کے سورج تو اپنی روشنی دکھا کر ڈوب گئے لیکن ہمارا سورج قیامت تک چمکتا رہے گا

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جو امام الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں فرمایا اس کا ترجمہ یہ ہے کہ دنیا کا سورج تو دن کو چڑھتا ہے لیکن میرا سورج رات کو چڑھتا ہے۔

فرمایا کہ اے مکے والو! تم جو یہ کہتے ہو کہ لَسْتَ مُرْسَلًا۔ تمہارے اس کہنے کا کیا اعتبار ہے؟ یہ تو نبی ہے، اور قیامت تک نبوت چمکے گی اور چمکتی چلی جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد ہے کہ دنیا میں کوئی جھونپڑی باقی نہ رہے گی، کوئی کچا مکان باقی نہ رہے گا، کوئی خیمہ باقی نہ رہے گا جہاں پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہ پہنچے گا اللہ تعالےٰ کے فضل سے پہنچ رہا ہے باوجودیکہ مختلف طریقوں سے رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۝ (الصف ۸)

(باقی آئندہ)

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

حالاتِ زندگی پر ایک نظر

پروفیسر محمد سرور

۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں ایک سکھ گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکے کی پیدائش سے پہلے ہی باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ بیوہ ماں نے خدا کا بہت بہت شکر کیا کہ بیوگی کا سہارا مل گیا بہنوں کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی کہ خدا نے انھیں بھائی دیا۔ ماموں نے اطمینان کا سانس لیا کہ جوان بہن کا اجڑا ہوا گھر پھر آباد ہو گیا یہ بچہ گھر کا بڑا لاڈلا تھا۔ ماں نے بڑے نازوں سے اسے پالا۔ بہنیں تھیں کہ اپنے ننھے بھائی پر قربان ہو ہو جاتی تھیں۔ اس محبت بھری فضا میں اس بچے نے آنکھیں کھولیں۔ ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں میں پٹواری تھے بچے نے کچھ ہوش سنبھالا تو ماموں نے وہیں کسی اسکول میں داخل کرا دیا۔

ضلع ڈیرہ غازی خاں یوں تو پنجاب کے صوبے میں ہے لیکن اس کی حدیں سندھ اور صوبہ سرحد سے ملی ہوئی ہیں۔ آبادی بیشتر مسلمانوں کی ہے اس علاقے میں پیروں اور فقیروں کی بڑی قدر ہے اور عوام و خواص دونوں کو تصوف سے بڑا لگاؤ ہے۔ صدیوں سے اس سرزمین میں بڑے بڑے صوفیا اور اہل اللہ پیدا ہوتے رہے اور ان کی باتیں اور یادگاریں ہر طرف سننے اور دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ ماحول تھا جس میں اس لڑکے کے دس بارہ سال گزرے۔ دوسری طرف گھر کے بڑے چھوٹے سب سکھ تھے۔ سکھ مذہب کی ابتدا بابا گورونانک سے ہوتی ہے۔ باباجی خود درویش تھے۔ اور ان کی تعلیمات مسلمان صوفیوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ بعد میں جو شکل سکھ مذہب نے اختیار کی وہ بالکل دوسری چیز اور زیادہ تر وہ نتیجہ تھی اس زمانے کے سیاسی حالات کا۔ بہرحال سکھ گھرانوں کو اسلام اور تصوف کے اصل اصول سے زیادہ بعد نہیں، مذہب کی نمائشی رسوم سے بیزاری، خدا کو ایک ماننا، سب مخلوق کو برابر جاننا، اچھے کاموں کو ہی اصل نیکی سمجھنا۔ یہ بنیادی باتیں ہیں گورونانک کی تعلیم کی۔ ظاہر ہے اس سکھ لڑکے کا اپنے ارد گرد کے مسلمانوں سے ملنے جلنے میں پرہیز نہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ آخر اس کا مسلمانوں سے میل جول بڑھا۔ دوسرے مذہب والوں سے عموماً جو کدورت ہوتی ہے وہ آہستہ آہستہ دور ہو گئی اور اس لڑکے کو مسلمانوں کی زندگی کا بہت قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

اس لڑکے نے محسوس کیا کہ جن چیزوں کو میں دل سے ٹھیک سمجھتا ہوں۔ اور میری عقل ان پر پورا یقین رکھتی ہے۔ وہ چیزیں، ہندوؤں اور سکھوں کے مذہبی طور طریقوں سے زیادہ اسلام میں ہیں یہ اس کا اپنا مشاہدہ، تھا۔ کسی مولوی نے اسے دلیل سے قائل نہ کیا تھا۔ اور نہ کسی بزرگ کی سنی سنائی بات پر اس نے یقین کر لیا تھا۔ اس لڑکے نے دیکھا کہ سکھ بھی خدا کو ایک مانتے ہیں اور مسلمان بھی خدا کو ایک ہی مانتے ہیں۔ لیکن اسلام کا ایک خدا کا تصور سکھوں سے بلند تر ہے۔ مساواتِ انسانی دونوں مذہبوں میں موجود ہے۔ لیکن اسلام نے مساوات کو جس طرح عملی شکل دی ہے وہ سکھوں سے ارفع ہے مذہب کی نمائشی رسوم سے دونوں مذہبوں کو نفرت ہے۔ لیکن اس نے محسوس کیا کہ سکھ مذہب نے اپنے آپ کو ان رسوم میں بری طرح مقید کر لیا ہے۔

اس چھوٹے سے لڑکے کے دل میں یہ خیالات اٹھتے رہے، وہ سوچتا اور غور کرتا اور معلوم نہیں کتنی راتیں اس نے اس سوچ میں جاگ جاگ کر کاٹیں اور ہفتوں نہیں مہینوں وہ اسی ادھیڑ بن میں رہا کہ وہ مذہب جس کو اس کی ماں بہنیں ماموں دل سے سچا مانتے ہیں اور اس کی سیوا ان کو سب سے زیادہ عزیز ہے وہ سچا نہیں۔ بلکہ اسلام جو غیروں کا مذہب ہے۔ یہ غیر نہ اس کے رشتہ دار ہیں۔ اس کی اور ان کی، کوئی بات ایک سی نہیں۔ ان میں سے کسی نے اس کی پرورش نہیں کی۔ کسی نے ماں اور بہن کی طرح جان اور دل اس پر نچھاور نہیں کیا۔ لیکن ان غیروں کا مذہب سچا ہے۔ اس کی حقانیت خود بخود دل میں اتر جاتی ہے۔ ان کے طور طریقوں کو دل مانتا ہے اور عقل قبول کرتی ہے۔ اب وہ کرے تو کیا کرے۔ ایک طرف وہ ہے جس کے جگر کا وہ ٹکڑا ہے۔ ماں نے معلوم نہیں کن کن امیدوں کے ساتھ اپنا خون پلا پلا کر اسے پروان چڑھایا ہے۔ بہنیں ہیں جو اسے "ویر ویر" کہتے نہیں تھکتیں۔ اب اگر وہ اپنے دل اور دماغ کا کہنا مانتا ہے تو ماں کو چھوڑنا پڑتا ہے، بہنوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ ماموں سے الگ ہونا پڑتا ہے۔ سارے خاندان سے جدائی ہوتی ہے آخر ہو کیا۔ وہ برابر سوچتا رہا۔ کوئی حل ایسا نظر نہ آتا تھا کہ دل کی بات بھی مان لے اور اپنوں سے قطع تعلق بھی نہ ہو۔ وہ، مہینوں اس چکر میں سرگرداں رہا۔ آخر اسے فیصلہ کرنا ہی پڑا۔

ایک دن چپ چپاتے یہ لڑکا گھر سے نکل گیا۔ نہ ماں کو اطلاع دی اور نہ ماموں کو خبر ہوئی۔ چلتے چلتے یہ بہت دور نکل گیا اسے ڈر تھا کہ کہیں تعاقب نہ ہو۔ رستہ میں اسے ماں کی ممتا یاد آتی تھی۔ بہنوں کی محبت بھی پیچھے کی طرف کھینچتی تھی۔ لیکن یہ لڑکا برابر آگے بڑھتا گیا۔ اس کے جی میں جو بات سمائی تھی وہ کسی محبت اور کسی قیمت پر اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ آخر وہ چلتے چلتے صوبہ سندھ میں داخل ہو گیا۔ اور وہاں ایک خداشناس بزرگ کے دستِ مبارک پر اس نے اسلام قبول کیا۔ یا دوسرے لفظوں میں اس لڑکے نے اپنی بات خود اپنے آپ سے منوالی۔ یہ جدوجہد بہت کٹھن تھی۔ لیکن یہ عزم بڑی ہمت والے کا عزم تھا۔ اپنی بات سے پھر جانا اس کے نزدیک زندگی سے منہ موڑنا تھا۔ آخر زندگی ہے کیا؟ رشتہ داروں کی محبت، گھر کا آرام یا ایک عقیدہ اور اس کے لیے جدوجہد اس طرح اس لڑکے نے سب کچھ کھو کر اپنے آپ کو پا لیا۔ اپنی بات خود اپنے آپ سے منوا کر چھوڑی، پرانا نام چھوڑا اور عبید اللہ کہلایا۔

کہنے کو تو یہ کہا جائے گا کہ ایک سکھ لڑکے نے اپنا مذہب بدل دیا۔ اور وہ سکھ سے مسلمان ہو گیا۔ کہنے کے لیے یہ بات ہے تو ٹھیک۔ لیکن کیا ہم اسے یوں نہیں کہہ سکتے کہ اس لڑکے کو قدرت کی طرف سے

ایسی طبیعت عطا ہوئی تھی جو تمام مذاہب کی اصل غایت یعنی خداشناسی تک پہنچنے کے لیے بے تاب تھی۔ سکھ سماج اس بے تاب طبیعت کی تسلّی نہ کرسکا۔ اس لڑکے نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور مسلمانوں کی سوسائٹی میں اپنے لیے خدا شناسی کی راہ نکالی۔ یعنی اس کی رُوح پر سکھ سماج کا لباس تنگ تھا وہ لباس اس نے اتار پھینکا اور اسلام کا لباس جو اس کی نظر میں کشادہ اور وسیع تھا۔ پہن لیا۔ اَب یہ سکھ لڑکا مولوی عبیداللہ بنتا ہے اور سندھ میں اپنے پیرو مرشد سے تصوّف اور طریقت کی ابتدائی منزلیں طے کرتا ہے۔ اس کی طبیعت کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور جس چیز کے لیے اس نے ماں بہن اور عزیز چھوڑے تھے۔ وُہ اُسے مِل جاتی ہے۔

پچّیس برس کی عُمر میں سندھ سے مولانا عبیداللہ سندھی دینی تعلیم کی خاطر دیوبند آتے ہیں۔ یہاں انھیں مولانا محمودحسن جیسا استاد ملتا ہے۔ جو شاگرد کی رہنمائی اس اسلوب سے کرتا ہے کہ شاگرد کی ذات اپنی تکمیل کی راہ میں کسی قسم کی کوئی روک محسوس نہیں کرتی استاد کامل تھا۔ شاگرد کو اپنے ساتھ کمال کی منزل پر لے جاسکا۔ ورنہ بعید نہ تھا کہ جو شخص ولی تسکین نہ پاکر اپنی ماں اورعزیز رشتہ داروں سے مُنہ موڑ سکتا ہے۔ وہ استاد کی رہنمائی سے سرتابی نہ کرتا۔ مولانا عبیداللہ نے دیوبند میں تمام اسلامی علوم پرعبُور حاصل کیا۔ عربی زبان پڑھی تاکہ قرآن سمجھیں۔ تفسیراور حدیث کا مطالعہ کیا۔ فقہ پڑھی، منطق اور فلسفہ میں درک پیدا کیا۔ ان کی طبیعت دارالعلوم دیوبند میں جم گئی اور اس تعلیم اور مطالعے نے انھیں پکّا مسلمان بنادیا۔ انھیں اس امر کا یقین ہوگیا۔ کہ خدا تک پہنچنے کا یہ راستہ سب سے سیدھا اور یقینی ہے۔

دیوبند سے فارغ التحصیل ہوکر مولانا عبیداللہ سندھ لوٹے۔ اور چھ سات برس تک جو کچھ پڑھا تھا۔ طالب علموں کو پڑھاتے رہے مولانا نے اپنا ایک مدرسہ بھی قائم کیا، طلبہ کو جمع کیا۔ ان کی کفالت اور مدرسین کے گذارے کا بار بھی خود اٹھایا اور جس گوہر مقصود کو انھوں نے اتنی محنت اور مصیبت کے بعد حاصل کیا تھا۔ ہرخاص و عام کو اس سے روشناس کرتے رہے۔ ایک مدّت کے بعد مشفق استاد نے اپنے ہونہار شاگرد کو دیوبند بلا بھیجا اور مدرسہ کے پرانے طلبہ کی تنظیم کا کام ان کے سُپرد ہُوا۔ مولانا عبیداللہ ، دیوبندی ضرُور تھے۔ لیکن دیوبندیت کے ظاہری رنگ و رُوپ اور شکل و صُورت کے تو وہ کبھی قائل نہ تھے۔ وہ دیوبندی رُوح کے ماننے والے تھے۔ جو شاہ ولی اللہ سے مشائخ دیوبند نے حاصل کی تھی اور مولانا محمد قاسم بانئ مدرسہ جس کے مبلغ تھے اور مولانا محمود حسن صاحب نے ظواہر اور رسُوم کے تمام پردے ہٹاکر اپنے عزیز شاگرد کو اسی رُوح کا جلوہ دکھایا تھا۔ جس سے مولانا عبیداللہ کو سکون مِلا تھا۔ دیوبند میں رہتے ہوتے مولانا کی مسلمانوں کے سماج سے ٹکر ہوتی ہے اور جس طرح سکھ سماج کا دائرہ مولانا کے لیے تنگ ثابت ہوا۔ مسلمانوں کے خود ساختہ سماج نے بھی، جسے وہ اسلام کا نام دیتے تھے۔ اسی طرح مولانا پر اپنے دروازے بند کردیئے اور مشائخ دیوبند کے ایک حِصے کی بارگاہ سے مولانا کو 'کافر' کا لقب مِلا۔ خوش قسمتی سے اس وقت تک مولانا اسلام کی اصل حقیقت سے آگاہ ہوچکے تھے اور وہ جان گئے تھے کہ اسلام وہ نہیں جس کے ٹھیکیدار یہ لوگ بنتے ہیں۔ چنانچہ ان کے کفر کے فتوے کے بعد مولانا کو اپنے مسلمان ہونے کا اور زیادہ یقین ہوگیا۔

دیوبند سے مولانا عبیداللہ سندھی دہلی آگئے اور پہلے کے بنے ہُوئے اسلامی سماج کے خلاف قرآن کے بتائے ہُوئے اصُولوں پر اسلامی سماج بنانے کی طرح ڈالی۔ نظارۃ المعارف دہلی کے مدرسے کی تاسیس کا مقصد یہی تھا۔ مولانا نے سمجھ لیا تھا۔ کہ خدا شناسی کا سب سے اچھا طریقہ اسلام ہے۔ گو مسلمانوں نے اس کی حقیقت بگاڑ رکھی ہے۔ لیکن اس طریقے کا دستور، اب تک اپنی اصلی شکل میں موجُود ہے۔ یہ دستور قرآنِ کریم ہے۔ مولانا نے خدا کا نام لے کر اپنا کام شروع کردیا۔ لیکن ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کی وجہ سے اور دُوسری اہم ضرورتوں کی طرف انھیں مجبُورًا متوجّہ ہونا پڑا۔

اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کی ساری امیدیں ترکی خلافت سے وابستہ تھیں۔ اور انگریز تھے کہ انھوں نے ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی تھی۔ ہندوستان کے مسلمان زعمًا اپنے ترک بھائیوں کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ مولانا عبیداللہ کو اپنے استاد کا حکم مِلا کہ وہ کابل روانہ ہوجائیں۔ سُنا ہے کہ مولانا کابل جانے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ لیکن اُستاد کے حکم کی سرتابی بھی گوارا نہ تھی۔ بُوڑھی سکھ ماں کو جس کی زندگی کا سہارا اس کا صرف یہ مسلمان لڑکا تھا۔ اللہ پر چھوڑا اور ۱۹۱۵ء میں بڑی دقتوں سے آپ کابل پہنچ گئے

افغانستان پر اس زمانے میں امیر حبیب اللہ خاں کی حکومت تھی۔ امیر موصُوف ایک حد تک حکومتِ برطانیہ کے زیرِ اثر تھے۔ اورخاص طور پر سلطنت کے خارجی معاملات میں وُہ معاہدہ کی رُو سے پابند تھے کہ کوئی قدم برطانیہ کے صلاح مشورے کے بغیر نہ اٹھائیں ادھر ہندوستان سے مولانا عبیداللہ ایک واضح اور متعین مقصد کے پیش نظر گئے تھے۔ اس زمانے میں ہندوستان سے نکلے ہُوتے بعض اور لوگ بھی کابل پہنچ گئے تھے۔ نیز عثمانی سلطنت اور جرمنی کی طرف سے بھی چند نمائندے امیر حبیب اللہ خاں کے پاس آئے تھے۔ ان سب کی کوشش یہ تھی کہ پٹھان انگریزوں سے بھڑ جائیں۔ امیر موصُوف بظاہر تو ان سب سے اچھی طرح پیش آتے۔ لیکن انھوں نے برطانیہ سے بگاڑنا مصلحت کیخلاف سمجھا۔ افغانی سیاست کا یہ دَور بڑا پُرآشوب تھا۔ ایک طرف کابل میں برطانی اور روسی مُدبّر اپنی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے اور اُن کی کوشش یہ تھی کہ افغانستان غیرجانبدار رہے دُوسری طرف ان کے دشمن تھے کہ امیرحبیب اللہ خاں کو ہندوستان پرحملہ کرنے پر اکسا تے تھے۔

ان دنوں کابل ایشیا کا سوئٹزر لینڈ بنا ہوا تھا۔ اور یہاں ہر سلطنت کے مُدبّر اور سیاست دان ایک دُوسرے کے خلاف جوڑ توڑ کرنے میں مصروف تھے۔ مولانا نے بین الاقوامی سیاسیات کی اس کش مکش کو دیکھا۔ اور صرف دیکھا نہیں بلکہ اس میں بطور ایک اہم فرد کے شریک بھی رہے۔ آپ نے کابل میں امیر حبیب اللہ کی حکومت کا بھی غور سے مطالعہ کیا۔ اور استبدادی سلطنتوں کو اندر ہی اندر سے جو گھُن کھا رہا تھا۔ وُہ آپ کی آنکھوں نے صاف صاف دیکھ لیا۔

مولانا عالمگیر اخوتِ اسلامی کے جذبہ کے ماتحت وطن سے نکلے تھے۔ اور اس وقت ان کا اور انکے ساتھیوں کا یہ خیال تھا۔ کہ جان پر کھیل کر بھی خلافتِ عثمانیہ کو بچانے کی کوشش کی جائے۔ مولانا نے یہاں آکر دیکھا کہ ہر اسلامی ملک کی اپنی خاص ضرورتیں ہیں اور وہاں کے لوگ مجبورہیں کہ اپنی قومی ضرورتوں کو مقدّم رکھیں۔ اسی سلسلہ میں آپ کو اس بات کا بھی علم ہواکہ ہرشخص کو اپنے وطن سے، اپنی زمین سے اور اپنی مخصوص روایات سے کتنی شیفتگی اور وابستگی ہوتی ہوتی ہے اور افغان اور ہندوستانی ہونے کے باوجُود دونوں اپنا الگ الگ قومی وجوُد رکھتے

ہیں۔ ایک افغان کو یہ گوارا نہیں کہ ایک ہندوستانی کے ماتحت کام کرے۔ اسی طرح ہندوستانی کو بھی افغان کی سرداری کھلتی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ پہلی ٹھکر تھی۔ جو مولانا کے مافوق قومی تصور کو لگی اور آپ نے محسوس کیا کہ قوم کا وجود ایک مستقل حقیقت ہے۔ مولانا بعد میں قومیت پر جو زیادہ زور دیتے رہے ہے۔ کابل کی زندگی کے یہ چند سال مولانا کے ان افکار کو سمجھنے میں بڑی مدد دے سکتے ہیں۔

مولانا کابل ہی میں تھے کہ جنگ عظیم کا فیصلہ ہوگیا۔ اور ترکی خلیفہ فتح مند اتحادیوں کا اسیر ہوگیا۔ مولانا، ترکی کی خلافت کو بچانے وطن سے نکلے تھے۔ اب انھوں نے دیکھا کہ وہ خلافت تقریباً ختم ہوگئی ہے اور اخوت اسلامی کا برائے نام رہا سہا جو مرکز تھا۔ وُہ بھی باقی، نہیں رہا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاست کا وہ دَور جو بلقان اور طرابلس کے ہنگاموں سے شروع ہوا۔ اور جس کے پیش منظر ترکی خلافت کے استحکام سے ہندوستان میں اپنے اسلامی وجود کو باوقار۔ بنانا تھا۔ اب ترکی خلافت کی شکست کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے۔ ہندوستان میں اس کے بعد اسلامی سیاست کا نیا دَور شروع ہوا۔ مولانا محمود حسن مالٹا کی اسیری کے بعد جب ہندوستان لوٹے تو کانگریس میں شریک ہوگئے۔ اور ان کی جماعت کے دُوسرے بزرگ مثلاً مولانا محمد علی، ڈاکٹر انصاری، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ نے بھی کانگریس میں شرکت کی۔ اسی زمانے میں کابل میں بھی کانگریس کمیٹی کی ایک شاخ کھولی گئی اور مولانا عبیداللہ اس کے صدر بنے۔

اسی زمانے میں افغانستان میں بھی ایک انقلاب رونما ہوا۔ امیر حبیب اللہ خاں اپنے سرمائی پایۂ تخت جلال آباد میں کسی نامعلوم قاتل کی گولی کا نشانہ بنے۔ ان کے بعد انکا بھائی نصراللہ خاں تخت کا وارث بن کر اٹھا۔ لیکن تقدیر نے مرحوم کے ایک منجھلے صاحب زادے کی سازگاری کی اور وُہ، امیر افغانستان بن گیا۔ امیرامان اللہ خاں نے بر سرِ اقتدار آتے ہی ہندوستان پر حملہ کردیا ایک مختصر سی لڑائی کے بعد دونوں حکومتوں میں صلح ہوگئی اور امیر امان اللہ خاں ہز میجسٹی امان اللہ خاں بن گئے اور افغانستان امارت سے دولتِ مستقلہ کے بلند مقام پر پہنچ گیا اور خارجی اور داخلی ہر لحاظ سے ہندوستان کی یہ ہمسایہ سلطنت آزاد ہوگئی۔

امیر حبیب اللہ خاں کے زمانۂ حکومت کے بعد مولانا نے اعلیٰ حضرت امان اللہ خاں کا دور بھی دیکھا۔ معلوم نہیں کیا وجوہ تھے کہ مولانا نے ۱۹۲۲ء میں افغانستان چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ کابل سے مولانا رُوس تشریف لے گئے اور کم وبیش ایک سال آپ کا رُوس کے سفر اور ماسکو کے قیام میں گزرا۔ ماسکو سے ۱۹۲۳ء میں آپ ترکی چلے آئے۔

مولانا رُوس ایک کانگریس کے رکن کی حیثیت سے گئے۔ اس وقت لینن ابھی زندہ تھا۔ زار کا روس ختم ہوچکا تھا اور اس کی جگہ نیا اشتراکی رُوس بن رہا تھا۔ مولانا نے رُوس میں اشتراکی انقلاب کے کارکنوں کو سرگرم عمل دیکھا۔ ان کے ولولے، ہمتیں، قربانیاں جفاکشیاں اور عزت، دولت اور منصب پانے کے خیال سے نہیں۔ بلکہ ایک اعلیٰ مقصد کے لیے خوشی خوشی جانیں دینا ایسی باتیں نہ تھیں، کہ مولانا دیکھتے اور متاثر نہ ہوتے۔ ماسکو میں مولانا کا قیام تقریباً ایک برس تک رہا۔ افغانستان کے دوران قیام میں آپ نے علماء کی تنگ خیالی اور اسلامی حکومت کی گراوٹ کے بہت سے مناظر دیکھے تھے اور انھیں اس بات کا یقین ہوگیا تھا۔ کہ علم و مذہب اور دولت و حشمت کے یہ سب بے جان لاشے ہیں۔ اسکے بعد مولانا رُوس آئے تو انھوں نے بالکل نئی بنیادوں پر ایک نئے عالم کو تعمیر ہوتے دیکھا آپ ان معماروں کی اولوالعزمی اور بلند خیالی سے متاثر بھی ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی اسلام کے ساتھ شیفتگی کم نہ ہوئی۔ نیا رُوس بالکل لادینی تھا اور مولانا پکے دین دار۔ لیکن مولانا کی دینداری نے انقلابیوں کی اس لادینی میں بھی صحیح دینی جذبے کو سرگرم عمل پایا۔ مولانا ماسکو میں بہت سے اشتراکی لیڈروں سے ملے۔ آپ کو اشتراکیت کے مبادی اصول کے مطالعہ کا بھی موقعہ ملا۔ آپ نے کھلے دل سے رُوسی انقلاب کی ہر اچھی چیز کو سراہا۔ اور انقلاب برپا کرنے والوں کی معجزانہ قوتوں کو تسلیم کیا لیکن اس کے باوجود آپ مسلمان ہی رہے۔ اور اسلام رُوسی انقلاب کی ان ساری بلندیوں سے بھی انھیں بلند تر نظر آیا۔

مولانا کی طبیعت ایسی تھی کہ جس بات کو وُہ دل سے مان لیتے۔ کوئی امر اس کے اظہار میں ان کو مانع نہیں ہوسکتا تھا۔ کوئی روک جو ان کے آگے قدم بڑھانے میں حائل ہو، مولانا اس روک کو کبھی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ یہ روک کسی کے نام سے ہو۔ مذہب کے نام سے ہو۔ کسی بزرگ کے نام سے ہو۔ مولانا کی طبیعت اس کے خلاف بغاوت کرتی۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ان کو اسلام کا انقلاب رُوس کے انقلاب سے کم تر نظر آتا۔ تو وہ بے کھٹکے اشتراکیت کو قبول کرلیتے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ مولانا ایسی انقلابی طبیعت اور ماسکو کا انقلابی ماحول، پھر بھی مولانا اسلام سے روگرداں نہ ہوسکے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ——— یہ اسلام جو انھیں رُوس کے انقلاب سے بھی بلند تر نظر آیا تھا۔ وہ اسلام نہ تھا۔ جس کے عملی نمونے آپ نے ہندوستان اور افغانستان میں دیکھے تھے۔ چنانچہ اب ان کے دل و دماغ میں نام نہاد "اسلامی سماج" اور مستبد مسلمان بادشاہوں کی اسلامی حکومتوں کے لیے مطلق کوئی جگہ نہ رہی تھی۔ انھیں ان کے متعلق شک پہلے ہی تھا لیکن انکے باطل ہونے کا یقین مولانا کو رُوس کے سفر میں حاصل ہوا۔

ماسکو سے مولانا ترکی آئے۔ اُس وقت مصطفےٰ کمال ترکی کو کمال ترکی بنا رہے تھے۔ خلافت منسوخ کی جاچکی تھی۔ شرعی قانون کی جگہ سوئٹزر لینڈ کے قانون نے لے لی تھی ترکی ٹوپی ممنوع قرار دی جاچکی تھی۔ شیخ الاسلام کو ترکی سے رخصت کردیا گیا تھا۔ اوقاف ضبط اور مذہبی مدرسے حکماً بند کردیے گئے تھے۔ ترکی زبان عربی حروف کے بجائے لاطینی حروف میں زبردستی لکھوائی جاتی تھی۔ الغرض پرانی زندگی کا ہر رنگ مٹایا جارہا تھا۔ ایک نئی ترکی بن رہی تھی۔ اور ترک نیا جنم لے رہی تھی۔

مولانا ساڑھے تین سال تک ان سب انقلابات کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھتے رہے۔ انکے دل پر جو کچھ گزری ہم نہیں جانتے۔ لیکن مولانا عبیداللہ ایسی طبیعت والے انسان پر اس قسم کے حادثات کا جو اثر ہوسکتا ہے۔ اس کا اندازہ کرنا زیادہ مشکل نہیں مولانا ان لوگوں میں سے نہیں تھے۔ کہ اپنی پسند کی چیز نہ دیکھیں تو آنکھیں بند کرلیں۔ اور اپنے دل کو یہ ڈھارس دے لیں۔ کہ اگر ہم اس چیز کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ تو وہ چیز سرے سے موجود ہی نہیں مولانا اپنی آنکھیں ہمیشہ کھلی رکھتے تھے اور اپنے دل و دماغ پر کسی قسم کی مہر لگانے کے روادار نہیں تھے۔ چنانچہ مولانا نے رُوسی انقلاب اور ترکی انقلاب کو خوب دیکھا۔ اور ان دونوں انقلابات کے تجربات کو دل میں لیے اسلام کے اصلی مرکز میں پہنچے۔

ترکی سے مولانا نے سرزمین حجاز کا رُخ کیا۔ حجاز آتے آتے اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کی سیاحت بھی ہوجاتی ہے۔ حجاز آئے تو ابن سعود کی حکومت قائم ہوچکی تھی۔ دس بارہ سال تک مولانا حجاز میں مقیم رہے اور ابن سعود کی

"خالص اسلامی حکومت" کا نہایت قریب سے مطالعہ کرتے رہے۔

حجاز کے زمانۂ قیام میں مولانا سیاسی سرگرمیوں سے بالکل دُور رہے۔ اور آپ نے سارا وقت مطالعہ و تدریس میں گزارا۔ جب کبھی کسی کو مولانا کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوتا۔ تو آپ کا کمرہ کتابوں سے بھرا ہوا پاتا۔ ایک طرف مصر کی تازہ بتازہ اور نوبنو عربی تصنیفات نظر آتیں اور دُوسری طرف اُردو، کی نئی مطبوعات اور تازہ رسالے پڑے ہوتے اور شاہ ولی اللہ اور انکے صاحبزادوں کی کتابیں تو سب سے نمایاں جگہ پر ہوتیں۔

حجاز میں مولانا نے دس بارہ سال کا طویل زمانہ گزارا۔ اور اس عزلت میں وُہ اپنی گزشتہ زندگی اور اس کے تجربات کا برابر جائزہ لیتے رہے۔ اس زمانے میں انھوں نے اپنے افکار بھی مرتب کئے اور چونکہ ان افکار کی افادیت اور صداقت کو وہ عملی دنیا میں کامیاب ہوتا دیکھ چکے تھے۔ اس لیے ان کے سچے ہونے پر ان کو غیر متزلزل یقین تھا مولانا چاہتے تھے کہ اپنی اس بصیرت کو عام کریں اور طول طویل تجربوں کے بعد جو کچھ انھوں نے سیکھا ہے۔ اسے دُوسروں کو بھی سکھائیں۔ لیکن حجاز والے نہ ان کی باتیں سمجھ سکتے تھے اور نہ انھیں ان کی ضرورت تھی۔ ان افکار و خیالات سے صرف مولانا کے اہل وطن ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اس لیے جب انھیں واپس آنے کا موقعہ ملا۔ تو انھوں نے حکومت کی وُہ تمام قیود و شرائط مان لیں۔ جن کو مانے بغیر انکا ہندوستان آنا مشکل تھا۔ مولانا زندگی کے آخری دنوں میں صرف اسی غرض سے وطن آئے تھے۔ کہ اپنے اہل وطن کے سامنے اپنے چوبیس برس کے تجربات کا حاصل پیش کریں۔

۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو مولانا کراچی کے ساحل پر اترے۔ اور آپ نے اُترتے ہی اپنے خیالات کی اشاعت شروع کردی۔ مولانا نئے عزم و استقلال کے ساتھ اپنے وطن لوٹے تھے۔ چوبیس برس کا جلا وطنی کا زمانہ جو بقول انکے پیہم خطرات کا سامنا کرتے گزرا۔ اور اس طویل مدت میں شاید ہی ان کی ایک رات کبھی اطمینان سے کٹی ہو۔ مولانا بے تاب تھے کہ اس طویل عرصے میں جو جو باتیں ابھر ابھر کر ان کے دل کے اندر ہی اندر دبی رہیں۔ انھیں بے محابا کھلے بندوں سب کو سُنائیں۔ مولانا کی، یہ باتیں بعض لوگوں کو بڑی تلخ لگیں۔ لیکن وہ جانتے نہیں تھے کہ مولانا نے جو حقائق دیکھے تھے وہ کتنے تلخ ہیں۔ اور ان تلخ حقائق کا جاننا مسلمانوں کے لیے کتنا ضروری ہے۔

مولانا کہتے تھے کہ یہ گھروندے جو تم نے بنا رکھے ہیں اور انھیں تم فلک الافلاک سے بلند سمجھتے ہو۔ یہ گھروندے زمانہ کے ہاتھ سے اب بچ نہیں سکتے۔ تمہارا تمدن، تمہارا سماج تمہارے افکار، تمہاری معاشرت تمہاری سیاست سب کھوکھلی ہوچکی ہے۔ تم اُسے اسلامی تمدن کہتے ہو۔ لیکن اس تمدن میں اسلام کا کہیں شائبہ بھی نہیں تم مذہب کا نام لیتے ہو۔ لیکن یہ مذہب محض تمہاری ہٹ دھرمی کا نام ہے۔ مسلمان بنتے ہو تو اسلام کو سمجھو۔ یہ اسلام جسے تم اسلام کہتے ہو یہ تو کفر سے بھی بدتر ہے۔ تمہارے امیر جاہ پرست ہیں۔ حکمران شہوات میں پڑے ہیں اور غریب طبقے توہمات کا شکار ہورہے ہیں۔ بدلو! ورنہ زمانہ تمہارا نشان تک بھی نہ چھوڑے گا۔ سنبھلو ورنہ مٹادیئے جاؤگے

مولانا جو کچھ کہتے تھے، یہ محض ان کے نظریئے نہیں تھے۔ انھوں نے "مقدس سماجوں" خدائی نظاموں، اور "الٰہی نظاموں" کو ٹوٹتے دیکھا تھا۔ اور ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ سماج نظام اور حکومتیں مقدس اور الٰہی نہ تھیں۔ ان ناموں سے لوگوں نے اللہ کی مخلوق کو لوٹا اور اپنے شخصی اقتدار کے لیے مذہب کی آڑ لی۔ سلطان عبدالحمید "ظل اللہ" کہلواتا تھا۔ معزول ہُوا۔ اور آج اس کا خاندان در بدر پھر رہا ہے۔ امیر حبیب اللہ خاں اپنے ہی وطن والوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ زار کا جو انجام ہوا۔ سب جانتے ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمان اب تک شیشوں کے کمروں میں بند ہیں۔ اس لیے یہاں "مقدس خدائی" اور "الٰہی" القاب سے خلق خدا کو گمراہ کیا جارہا ہے۔ لیکن اب زمانہ بدل چکا ہے۔ انقلاب کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ ان ناموں سے دنیا کو دھوکا نہ دو۔ نفس پرستی کو خداپرستی نہ کہو تمہارا یہ کھوکھلا سماج اور بے رُوح تمدن چند دن کا مہمان ہے۔ اس کو خود بدل لو تو بہتر ہے۔ ورنہ زمانے کا ریلا اسے خود بدل دے گا۔ اور اُس وقت تم کہیں نظر نہ آؤ گے۔

مولانا کی ان باتوں سے اکثر لوگ سیخ پا ہوجاتے اور ان کو بُرا بھلا کہنے سے بھی نہ جھجکتے۔ یہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ ان کے ارد گرد دُور و نزدیک کتنے بڑے بڑے طوفان اٹھ رہے تھے۔ جن کے سامنے طوفان نوح کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی۔ مولانا کی دُور رس نگاہ، اس طوفان کو اٹھتا دیکھ رہی تھی اور وہ اپنی قوم کو آنے والے ہولناک انجام سے ڈراتے تھے۔

مولانا نے جس مقصد کے لیے پچاس ساٹھ برس پہلے اپنا گھربار چھوڑا تھا۔ اسی مقصد کی خاطر وہ اپنے دوستوں، نیازمندوں اور بزرگوں کو چھوڑنے سے نہ جھجکتے۔ انھوں نے اوائل عمر میں ماں کی مامتا اور بہنوں کی محبت کی پروا نہ کی تو تعجب کہ آپ کی عمر ستر برس سے تجاوز کرچکی تھی اور آپ کا ایک پاؤں قبر میں تھا۔ اور دُوسری دنیا سامنے بے حجاب نظر آرہی تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ کسی محبت عزت یا شان کی خاطر وہ بات کہنا چھوڑ دیتے۔ جسے وہ حق سمجھتے تھے۔

الغرض مولانا عبیداللہ سندھی کی ساری زندگی ایک جستجو، ایک ولولہ، ایک عزم اور ایک ان تھک اور مسلسل جدوجہد میں گزری۔ اور وہ ستر سال کی عمر تک جوانوں سے کہیں زیادہ ہمت اور مشقت سے سرگرم عمل رہے کبھی وہ بیت الحکمۃ جامعہ نگر میں پہروں طلباء میں بیٹھے درس دیتے نظر آتے۔ نہ انھیں آرام کا خیال ہوتا اور نہ کھانے پینے کا ہوش، کڑاکے کی سردی کی پرواہ نہیں اور نہ جھلستی لو کا احساس، کوئی استفادہ کے لیے خدمت میں حاضر ہو تو ساری رات اس کو سمجھاتے آنکھوں میں کاٹ دیتے۔ اور ان پر ذرا بھی اضمحلال کے آثار نظر نہ آتے۔ کبھی سندھ کے ریگستان میں گوٹھ پیر جھنڈا کے مقام پر درس و تدریس میں لگ جاتے۔ وہاں زمین خریدنے کی صلاحیں ہوتیں۔ عمارت کا نقشہ بنتا اور مادی حالات سازگار نہ ہوتے تو کھلی زمین میں جھونپڑیوں میں طلبہ کو لے کر بیٹھ جاتے ہمت تھی کہ شکست قبول نہ کرتی اور ایمان تھا کہ عمر کے ساتھ ساتھ اور پختہ ہوتا جاتا تھا۔

مولانا کی جدوجہد محض زبان و قلم تک محدود نہ رہی۔ بے سروسامانی میں آپ نے ہندوستان کا کونہ کونہ چھان ڈالا۔ کھانے کو نہ ہوتا۔ تو پھر بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ بیماریوں کے سخت حملے ہوتے۔ لیکن ان کی ذرا بھی پروا کئے بغیر اپنا کام پوری مستعدی سے کئے جاتے۔ اس دوران میں آپ نے کئی ایک ادارے قائم کئے۔ ایک سیاسی پارٹی کی بنیاد رکھی۔ متعدد درسگاہیں بنائیں اور شب و روز ان کاموں میں لگے رہے۔ لیکن آخر جسم کے قوائے کب تک اس فوق العادت

(باقی صـ۱۶ پر)

قسط نمبر ۳

آزادی کشمیر کی تحریک المجاہد

سردار عبد القیوم خان صدر جموں و کشمیر مسلم کانفرنس

تحریک المجاہد کے مقاصد

تاریخ عالم شاہد ہے کہ ہر تحریک کی حیثیت و افادیت کا اعتبار اس کے مقصد کی عظمت پر اور اس کی کامیابی و ناکامی کا دار و مدار اس مقصد کے لیے جانی و مالی قربانی کے جذبہ پر موقوف ہوتا ہے کیونکہ یہی تقاضا ہے اس حکم خداوندی کا " و انتم الاعلون"...الخ؟

اس لیے ضروری ہے کہ کسی قسم کی جانی و مالی قربانی دینے سے قبل واضح ہو جانا چاہیئے کہ یہ عظیم قربانیاں کس مقصد کے لیے دی جا رہی ہیں چنانچہ ان مقاصد کا تعین مسلم کانفرنس کی قرار داد مقاصد اور قرار داد المجاہد میں واضح طور پر کیا جا چکا ہے جو مختصراً یہ ہیں

الف:- ساری ریاست جموں و کشمیر کو بھارت کے غاصبانہ قبضہ سے آزاد کرایا جائے۔

ب:- ساری ریاست کا الحاق پاکستان سے کرایا جائے۔

ج یہ جنگ اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک بھارت پاکستان کے خلاف اپنے جارحانہ عزائم سے باز نہیں آجاتا اس تحریک کو ان مرکزی مقاصد کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے ساتھ کسی صورت بھی ملوث اور آلودہ نہیں کیا جائے گا مسلم کانفرنس نے جماعتی سطح پر اس کا آغاز کرنے کا فیصلہ اس لیے بھی کیا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے جہادِ آزادی جو سہواً غلطیاں سرزد ہو گئی تھیں ان کا اعادہ نہ ہو۔ اس تحریک کا پس منظر اور پیش منظر مسلم کانفرنس کی سیاسی جد و جہد کے خمیر سے رونما ہوا تھا لیکن تحریک کو منظم طور پر چونکہ جماعت نے باضابطہ اپنے ہاتھوں میں نہ لیا تھا لہذا وہ جانفروشی بعض اعتبارات سے ایک ہنگامہ تصور کی گئی جس کی بدولت گذشتہ بیس سال سے ویسی کوئی تحریک دوبارہ نہ چل سکی لیکن چونکہ وہ تحریک قوم کے قلوب میں جڑ پکڑ چکی تھی۔ لہذا ایک وقت کے ایل ایم رسجنگ بندی لائن کو توڑ کر ریاست میں داخل ہونے کی پر امن تحریک (بھی چلائی گئی جسے پہلے مارشل لاء کے وقت چند یقینی دہانیوں کی بنا پہ عارضی طور پر معطل کر دیا گیا۔ اب یہ تحریک جو انتہائی اور آخری قدم ہے اور اسی تحریک کی ترقی یافتہ صورت ہے جو ۱۹۳۱ء میں شروع کی گئی تھی اور جسے میں قومی ترکش کا آخری تیر کہتا ہوں۔ اس کو یوں ہی تفریحاً نہیں اٹھایا گیا اور نہ ہی اس سے کوئی ذاتی منفعت یا ناموری مقصود ہے نہ یہ کوئی سیاسی تحریک ہے کیونکہ کوئی بھی جماعت یا ہوش مند آدمی ایسا آخری قدم کسی سطحی غرض سے نہیں اٹھا سکتا۔ اس پروگرام پر عمل کر سکنے اور نہ کر سکنے کی ہر دو صورتوں کی مشکلات اور ردعمل واضح ہے۔ جانیں قربان کرنے کا معاملہ کوئی سیاسی کھیل نہیں اور نہ اس کو ایسا سمجھنا چاہیئے اس اقدام کے محرکات اور لوازمات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے تاکہ ہمارے یقین میں کوئی تزلزل پیدا ہو کر عمل کی طاقت اور اس کے تسلسل پر اثر انداز نہ ہو جائے چنانچہ اس اہم تاریخی اور سنگین تحریک کے محرکات اجمالی طور پر یہ ہیں اور ان کا ذکر مسلم کانفرنس کی قرار داد المجاہد میں بھی کیا گیا ہے

سلامتی کونسل کا کردار

۱۹۴۸ء کے آخر میں جب سامراجی طاقتوں کو یقین ہو گیا کہ ریاست جموں و کشمیر کے مجاہدین نے بھارتی افواج سے ہی اسلحہ اور دیگر ساز و سامان چھین کر اتنی طاقت جمع کر لی ہے کہ وہ اب بھارتی افواج کو آخری شکست دے سکتے ہیں تو عین اس موقع پر انہوں نے پاکستان پر دباؤ ڈال کر جنوری ۱۹۴۹ء میں جنگ بند کر وادی اور اس طرح بیرونی طاقتیں کشمیری مجاہدین اور پاکستانی قیادت کو جھانسہ دینے میں کامیاب ہو گئیں اور ہم ایک جیتی ہوئی بازی ہار گئے۔ جنگ اس شرط پر بند کی گئی تھی کہ ایک معقول وقت کے اندر غیر جانبدارانہ استصواب رائے کرایا جائے گا تاکہ ریاستی عوام یہ فیصلہ کر سکیں کہ آیا وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا بھارت میں لیکن سارے عالم کو معلوم ہے کہ ان بڑی طاقتوں نے گذشتہ بیس سال میں کیسی طوطا چشمی اور بے حیائی کے ساتھ ان بین الاقوامی وعدوں کی تضحیک کی اور بھارت کو پوری شہ دی کہ وہ استصواب رائے کے وعدے سے پھر جائے۔ اس لیے خطۂ کشمیر کا جو پُر امن حل ہو سکتا تھا اس کا راستہ بالکل بند کر دیا گیا۔

بھارت کی جنگی تیاریاں

اس دوران اینگلو امریکی بلاک اور روس، چین بھارت تصادم کی آڑ میں بھارت کو اس قدر فوجی امداد دے رہے ہیں کہ وہ نہ صرف کشمیر میں بزعم خود کسی خطرہ سے بے نیاز ہو گیا ہے۔ بلکہ خود پاکستان کے وجود کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بھارت کو کیا مجبوری ہے جو یوں بھی کسی اخلاقی عقیدے کا پابند نہیں کہ اپنے کسی وعدہ کی پابندی کرے۔

اکھنڈ بھارت کا منصوبہ

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ بھارتی حکومت اور اس کے لیڈر سب ہی آج تک پاکستان کے خلاف ہر قسم کی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے ہیں اور اس ایک بات پر سب متفق ہیں کہ پاکستان کو بھارت میں ملا کر اکھنڈ بھارت بنا دیا جائے اور اس ناپاک منصوبہ کی تکمیل کے لیے دنیا کی بعض بڑی طاقتیں بھی بہت حد تک اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتیں، چنانچہ اکھنڈ بھارت کے ذلیل منصوبہ کا اہم جزو یہ ہے کہ کشمیر پر بھارت کا مستقل تسلط قائم رہے تاکہ پاکستان کو بدستور گھیرے میں رکھ کر اس ناپاک منصوبے کی خاطر ہر رنگ میں پورا دباؤ ڈالا جا سکے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ : مجلس ذکر

پڑھیں تو بہت اچھا ہے یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ) اس سورت کی سات آیتیں ہیں اور ہر دفعہ میم کے نیچے زیر لگاکر ملاکر پڑھیں گے تو اس کے اثرات بہت زیادہ ہونگے۔

سورۃ فاتحہ قرآن کا خلاصہ ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ سورۃ فاتحہ قرآن کا خلاصہ ہے اور اتنی تعریف کی ہے سورۃ فاتحہ کی کہ بیان سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کو السبع المثانی فرمایا ہے۔ دہرائی جانے والی آیتیں، ہر نماز کی ہر رکعت میں ہم دہراتے ہیں۔ یہ قرآن کا مغز ہے عطر ہے۔ نچوڑ ہے۔ سارے قرآن کے اہم مضامین اس میں اللہ نے سمو دیئے ہیں۔ دریا کوزے میں بند کردیئے ہیں۔ جس طرح سارا مضمون عنوان میں آجاتا ہے۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ کو تیس پاروں اور ۱۱۴ سورتوں کا عنوان سمجھئے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیحؑ تک جتنی بھی الہامی کتابیں ہیں جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین ہیں۔ ان سب کا نچوڑ اور لب لباب سورۃ فاتحہ میں رکھ دیا گیا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ تصور فرمائیں کہ آم کی گٹھلی میں آم پورا ہے اسی طرح جامن کی گٹھلی میں پورا جامن ہے جامن کی اتنی سی گٹھلی کو آپ گاڑیں گے ذرا سی دیکھ بھال کرینگے ایک دن وہ پودا بڑھ کرکے جوان ہوگا۔ تو آپ سارا خاندان مقابلے پر لیٹ جائیں تب جاکر اس کو پہنچ سکیں گے۔ آدھ فرلانگ تک وہ درخت اوپر پہنچ جائے گا۔ پوتے نواسے دادے، لکڑ دادے اگر لیٹ جائیں یکے بعد دیگرے اوپر نیچے لمبائی میں تب جاکے درخت کی چوٹی تک پہنچیں گے۔ چھ سات سالوں میں یہ اتنی لمبائی تک پہنچ جاتا ہے۔ اندازہ لگائیے۔ اتنی چھوٹی سی گٹھلی بڑھ کر اتنا بڑا درخت بن گئی جو آپ کے حلق سے آسانی سے نکل سکتی تھی۔ لیکن زمین میں گاڑی تو کہاں تک پہنچی۔ یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ لاکھوں پھولوں کا عطر اتنی سی شیشی میں سماجاتا ہے۔ اس لیے ساری الہامی کتابیں ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبروں کا جو بھی دعوت و ارشاد کا لب لباب تھا۔ وہ سارا قرآن میں ہے اور قرآن کی ایک سو چودہ سورتوں، کو اللہ نے سورۃ فاتحہ میں سمو دیا ہے — سورۃ فاتحہ پڑھ لینا گویا ساری الہامی کتابیں پڑھ لینے کے مترادف ہے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ بہت اونچی بات ہے۔ اس لیے اللہ والوں کا طریق یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کو معہ وصل بسم اللہ کے پڑھنے میں بہت زیادہ اثرات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العٰلمین الخ۔

عمل میں عامل کی قوت ارادی کا اثر،

ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب نے مکہ شریف سے خط لکھا کہ میں نے سورۃ قریش اتنے لاکھ دفعہ پڑھی ہے لیکن مقصد پورا نہیں ہوا۔ حضرت نے معمولی طور پر بتایا کہ فلاں نماز کے بعد اس طرح اتنی دفعہ پڑھو۔ ہفتہ بھی نہیں پورا گزرا ہوگا کہ خط آگیا۔ انھوں نے لکھا کہ حضرت! بالکل ٹھیک ۳، ۴ دن پڑھنے کی نوبت آئی ہے اور مقصد پورا ہوگیا ہے۔ اتنی دفعہ پڑھا تو مقصد پورا نہ ہوا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ خط نہ لکھ سکے، بیمار تھے۔ مجھ سے خط لکھوایا اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب مجھے دی جس کی شرح فارسی میں، حزب البحر ہے اس کا ایک باب نقل کرواکر پھر خود ہی تشریح کرائی۔ لب لباب سارے خط کا یہ تھا۔ کہ عمل میں عامل کی قوت ارادی اثر کرتی ہے۔ تم نے کسی کتاب میں پڑھا، عمل کردیا۔ اب مجھے سلسلہ بسلسلہ اپنے اکابر اور شیوخ سے اس کی اجازت چلی آرہی ہے تمہیں اس کی اجازت اس لیے دے رہا ہوں کہ تم ماشاءاللہ اس سلسلے کے تیس چالیس سال سے عامل ہو تو انشاءاللہ اب اثر یقینی ہوگا شاہ صاحبؒ کا یہ فرمانا کہ عمل میں عامل کی قوت ارادی اثر کرتی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اسی لیے حدثنا عن فلاں عن فلاں ہے اب میں نے حدیث پڑھی۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے انھوں نے پڑھی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے انھوں نے پڑھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے حضورؐ تک سلسلہ چلاجاتا ہے۔ اس طرح سلسلہ بسلسلہ نورانیت چلی آتی ہے۔ اور بغیر اس کے یہ چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ فرض کیجئے ایک مستشرق اگر بخاری پڑھ لیتا ہے۔ اس کے بخاری پڑھنے میں اور ایک عالم کے بخاری پڑھنے میں زمین آسمان کا فرق ہے — ایک عالم جو الفاظ ادا کرے گا۔ اس کی سند حضور تک پہنچے گی اور مستشرق بلا سند پڑھے گا۔

بھٹکے ہوؤں کا قرآنی علاج،

بہرحال ایک دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ سن لیجئے۔ حضرت مدنی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے میرے سامنے پوچھا کہ فلاں لڑکا بڑا ہی نابکار ہے سیہ کار ہے۔ شراب نوش ہے۔ حضرت نے فرمایا سورۃ فاتحہ پلاؤ۔ انھوں نے کہا۔ پڑھی ہے فائدہ نہیں ہوا۔ حضرت نے فرمایا تم اس طریقہ سے پڑھو۔ فرمانے لگے :۔

حضرت دین پوریؒ نے اجازت دی ہے کہ جو سوسائٹی میں اوباش بدمعاش ہوجائے اس کے لیے سورۃ فاتحہ معہ وصل بسم اللہ کے پڑھیں لیکن اھدنا الصراط المستقیم کی آیت ہربار گیارہ دفعہ لوٹائیں۔ اور اس کی شکل ضرور سامنے لائیں اور دل میں تمنا، کریں کہ یااللہ اسے نیک پاک بنادے — نابکاروں، بدمعاشوں، اوباشوں کی صحبت سے نجات دلادے۔ اللہ والوں کی صحبت میسّر فرما۔ یہ ایسا تیر بہدف عمل ہے کہ خدا کے فضل سے کامیابی حاصل ہوتی ہے میں نے خود بیسیوں دفعہ تجربہ کیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہزاروں دفعہ کا تجربہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کانٹا بدل دیتے ہیں اور اصلاح فرماکر اپنے دامن رحمت میں لے لیتے ہیں۔

بقیہ : حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

شوق و ہمت کا ساتھ دینے۔ بڑھاپا اور پھر بیماریوں کا سخت نرغہ۔ اس پر جسمانی مشقت اور دماغی کاوش اس قدر کہ کڑیل سے کڑیل، جوان بھی اس کی تاب نہ لاسکتا۔

جون ۱۹۴۴ء کی گرمیاں تھیں اور مولانا سندھ کا دورہ فرما رہے تھے کہ صحت نے بالکل جواب دے دیا۔ جو رفیق کار ساتھ تھے۔ وہ بڑی مشکل سے کراچی چلنے پر راضی کرسکے۔ کراچی میں کچھ عرصہ علاج ہوا۔ لیکن جسم کا پورا رس نکل چکا ہو تو دوا دارو سے کیا ہوسکتا تھا۔ کراچی سے آپ نے گوٹھ پیر جھنڈا چلنے کی خواہش کی اور آخر میں اپنی صاحبزادی اور نواسے کی درخواست پر دین پور ریاست بہاولپور آگئے اور وہیں ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو اس دار فانی سے انتقال فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اُردن سے ایک تبلیغی مکتوب

تبلیغی جماعت کے سرگرم کارکن اور سلطان فونڈری بادامی باغ لاہور کے مینجنگ پارٹنر الحاج محمد افضل صاحب گزشتہ دنوں مختلف اسلامی ممالک کے تبلیغی دورہ پر گئے۔ انہوں نے عمان (اُردن) سے اپنی فیکٹری کے کارکنوں کے نام ایک مکتوب میں جس سوز و گداز کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کی اور امتِ مسلمہ کو وقت کے اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ یقیناً اس لائق ہے کہ اُسے، قارئین حضرات کے استفادہ کے لیے شائع کیا جائے۔ (ادارہ)

مکرمی و محترمی! ـــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ـــ طالب خیر بخیر

میرے بھائیو۔ دنیا میں جتنی چیزیں نظر آرہی ہیں اور انسان اپنی صلاحیت سے جو بھی ایجادات کرتا ہے۔ ان کی اللہ پاک کے ہاں نہ پہلے سے کوئی قیمت تھی اور نہ ہی قیامت تک جو کچھ سامنے بن کر آجائے گا اس کی کوئی قیمت قائم ہوگی۔ اس کے مقابل میں انسان کو قیمتی قرار دیا ہے۔ اور انسانوں میں بھی محنت اور شعور کی قیمت ہے۔ جبکی ترتیب اگر درست قائم ہوجائے تو اس کی وجہ سے بدن کی قیمت بن جائے گی انسان خود اپنے ہاتھوں سے چیزیں بناکر اس کو قیمتی کہنا شروع کردیتا ہے۔ چیزیں تو اس سے قیمتی بنتی نہیں، البتہ اس کے اندر کا قیمتی سرمایہ جو چیزوں میں منتقل ہوجاتا ہے۔ اس کا عکس پڑتا ہے جیسے آئینہ کے سامنے کھڑا ہونے والا اپنا منہ آئینہ میں دیکھتا ہے۔

میرے دوستو اس طرح دھوکہ میں پڑے ہوئے انسانوں نے اس دنیا پر آنکھیں بند کرکے اپنا قیمتی سرمایہ لگا ڈالا ہے۔ کہ آئندہ کی نسلوں کو اس دھوکہ سے نکلنا مشکل ہوگیا ہے۔ یہاں تک کہ بے حیثیت کو قیمتی قرار دینے والے اللہ پاک کے ہاں اپنی حیثیت کو کھو بیٹھے ہیں۔ محنت کی یہ صورت اگر سو فی صد قائم ہوگی تو اللہ پاک چیزوں سمیت پوری انسانیت کو ختم فرمادیں گے۔ اس کا نام قیامت ہے۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل آپ والے کام پر ڈالا ہے۔ جس میں چیزوں کے مقابلے میں چیزیں تیار کرنے کو نہیں کہا گیا۔ بلکہ ایسا بندہ بننے کو کہا گیا ہے جن پر چیزوں والے اپنی پوری طاقت لگا دیں۔ تو بھی حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی نہ ہٹنے پائیں۔ اس کے لئے محنت بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھلائی ہے۔ وہی کرنے سے دنیا میں تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ہمارے لیے نمونہ ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں۔ ان حضرات سے نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خوش تھے۔ بلکہ دنیا میں ہی اللہ پاک نے اس رضا کا اظہار فرمادیا جو جنت میں داخل ہونے والوں کا بھی سب سے آخری انعام کہا جاتا ہے۔

جس کے بعد جنتی اور کسی قسم کے خواہش سے بے نیاز ہوجائے گا۔ ان حضرات کی زندگی کا کونسا مرحلہ ایسا ہے جو ہمارے لیے اللہ پاک سے نعمتوں کے دروازے نہ کھلوادے۔ گھروں کی زندگی عبادات، معاملات تو ثمرات ہیں اس جدّوجہد میں جس کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اٹھایا تھا اور اس کے لیے بہت بڑی قربانی کروائی تھی۔

دن میں انسانوں کے اندر محنت جس پر مار پٹائی ہوتی۔ راتوں اللہ پاک کے سامنے کھڑے ہوکر ان ہی انسانوں کے لیے دعا کرتے۔ جن کے ہاتھوں سے پٹ رہے تھے کیا مزے ہونگے ایسی زندگی کے۔ اللہ پاک ہی کو معلوم ہے۔ جن کی نسبت پر ان کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا تھا۔

واللہ! دین اسی طریقے کی لعنت سے رواج میں آتا ہے۔ جب دین کو دنیا میں فوقیت حاصل ہوئی تو وُہ رخصت ہوگئے۔ اور جن کو سامنا ہوا وُہ اس پر روئے کہ ہم نے ملک اور مال کے لیے تو یہ سب کچھ نہیں کیا تھا۔ اگر ملک اور مال کوئی خیر کی چیز ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارے پاس ہوتے جب کہ حضور صلیّ اللہ علیہ وسلم تمام خیروں کے ساتھ مبعوث ہُوئے۔

آج دین کے نام سے ملک و مال کی جو محنتیں چالو ہیں۔ واللہ یہ وہی دھوکہ ہے جسے ختم کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی محبُوب ذات کو مصیبتوں میں ڈالا تھا۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بہت بڑی تعداد نے اپنی تمام صلاحیتوں کو خرچ کیا تھا۔ ہماری بدنصیبی سے دین کا وہ نقشہ ہمارے دور میں قائم ہوگیا جس سے اصل دین کیطرف بغیر جدّوجہد کے پہنچنا مشکل ہے۔

اللہ پاک کی قسم! ہمیں مادی اشیاء کی لعنت نے جس قدر دھوکے میں ڈالا ہے اس سے بھی زیادہ سخت فتنہ یہ ہے کہ دین ملک و مال کے بغیر نہیں چل سکتا، گویا غیروں کی نسبت ہمارے اپنوں نے زیادہ برباد کیا ہے۔ دین جس پر ایک فقیر کا بچہ بھی مصیبتوں کے ساتھ چل کر اللہ پاک کی رضا کو دنیا ہی میں حاصل کرکے دکھلا گیا۔ آج اطمینان کی زندگی گزارتے ہوئے بھی اس دین پر چلنا مشکل بنا ہوا ہے ایک اکثریت دین کو پکارتے پکارتے رخصت ہوجائے گی اور دنیا پر چلنا ان کے نصیب نہیں ہوگا۔ کل کو اللہ پاک کے سامنے کیا جواب دیں گے۔ جب کہ دین کی پوری ترتیب زندگی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں وجوُد میں آئی اور قیامت تک کے لیے ہدایت دلانے والی زندگی کا ہم نے مشاہدہ کیا۔ اسے چھوڑکر اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے۔ جس سے اپنے آپ کو بھی برباد کیا اور پوری انسانیت کیلئے ایسا دھوکہ قائم کردیا۔ جس سے نکلنا دشوار ہوجائے۔ اللہ کے لیے کود پڑیں۔ اس جدوجہد والے راستہ پر جس سے افراد کی قربانی نسلوں کے لیے دین کے رواج میں آجانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس کے لیے زیادہ عقل والوں کی بھی ضرورت نہیں۔ جو جس سطح کا ہو اسی کو اللہ پاک دین کے چمک جانے کا ذریعہ بنالیں گے۔ حقیقت میں دین تو ہماری محنت سے چمکنے کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے چمکنے کی صورت بنائی ہے۔

دین کی محنت کروگے تو چمک جاؤگے۔ اگر ہم اس قیمتی امر میں لگ گئے تو انشاءاللہ ہماری بھی قیمت بن جائے گی اللہ پاک ہمیں اپنے فضل سے اس کی سمجھ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد افضل

بقیہ : اداریہ

رکھنا چاہئے بلکہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کی طرح تمام مکاتبِ فکر اور اسلامی فرقوں کے علماء کو متحد کرکے "مجلس عمل" کو پھر زندہ کرنا چاہئے اور تمام علماء کا متحدہ محاذ قائم کرنا چاہئے "تاکہ پاکستان میں سر اٹھانے والے نئے نئے فتنوں اور اسلام کے خلاف نمودار ہونے والی باطل تحریکوں کا سدِّباب کیا جاسکے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کراچی میں منعقد ہونے والی علماء کنونشن کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرے اور مولانا قاری زاہر القاسمی صاحب کی مبارک کوششوں کو شرفِ قبولیت عطا کرے۔

بقیہ : تحدید ملکیت کا اسلامی تصور

ہے تو کہتے ہیں۔ وہ دیکھو سونے کی چڑیا اڑ رہی ہے اور ابھی تیرے قدموں میں ہے بچہ شوق سے نگاہ اٹھاتا ہے اور ادھر اپنے جسم کے ایک حصّہ سے محروم۔ تو ہمارے ہاں سوشلزم کی مثال اسی "سونے کی چڑیا" کی سی ہے۔ جس سے عیّار لیڈر خوب خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

جلسۂ عام

کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام کے زیر اہتمام بتاریخ ۱۴ اپریل بروز منگل بعد نماز عشاء بمقام شیخ عماد (کلاں) (قصور سے ۴ میل بجانب جنوب دیپالپور روڈ پر) زیر صدارت جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی امیر جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان جلسہ عام منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں مولانا مولانا عبدالعزیز صاحب ساہیوال خلیفہ مجاز حضرت شیخ التفسیر، مولانا محمد الیاس صاحب خطیب مسجد پٹولیاں لاہور اور مولانا محمد اکرم صاحب ناظم جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان تشریف لا رہے ہیں۔

نوٹ: بعد نماز مغرب مجلس ذکر ہوگی

الداعیان: چودھری محمد بوٹا، چودھری شمس الدین، چودھری محمد علی، چودھری فتح محمد، چودھری بشیر احمد، مولوی علی محمد (صاحبان)

نقشۂ اوقاتِ نماز کے شائقین کی توجہ کیلئے

یہ نقشہ جات صرف ضلع لاہور، سیالکوٹ اور پشاور میں استعمال کے لئے ہیں دوسرے شہروں کے لئے نہیں ہیں مساجد کے لئے منگوانے والے حضرات ۲۵ پیسے کے ٹکٹ اور ذاتی استعمال کے لئے ایک روپیہ ۲۵ پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں ورنہ تعمیل ممکن نہیں۔

سیالکوٹ میں ملنے کا پتہ:
۱۔ حافظ عبدالرحمٰن مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد نور چنوں موم ضلع سیالکوٹ
۲۔ مدرسہ سرحد جمعیۃ تعلیم القرآن چوک بخاری شکر گڑھ
۳۔ مولانا مفتی بشیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد پسرور

پشاور میں ملنے کا پتہ:
۱۔ مہتمم دارالعلوم سرحد بیرون آسیہ گیٹ پشاور
۲۔ مولانا محمد یعقوب القاسمی مہتمم شعبۂ مدرسۃ القرآن جامع مسجد قاسم علی بازار مسگراں قصہ خوانی پشاور

المعلن: ناظم مکتبہ خدام الدین، شیرانوالہ دروازہ لاہور

اعلان

مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن (رجسٹرڈ) کلووا چک ۳۷۹ ج ب تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ کا چوتھا سالانہ تبلیغی جلسہ مورخہ ۵ صفر المظفر مطابق ۱۱، ۱۲ اپریل بروز ہفتہ اتوار ہو رہا ہے جس میں مولانا محمد علی جالندھری ملتان مولانا قاضی عبداللطیف سجاد عباسی مولانا صوفی حسن علی مولانا محمد رمضان ملتان و دیگر علمائے کرام شرکت فرمائیں گے۔ امتحان میں کامیاب طلباء کو انعامات تقسیم کئے جائیں گے

نوٹ: جلسہ بروز ہفتہ ۱۱ اپریل بعد نماز عشاء شروع ہوگا اور اتوار کے دن رات کے تمام اجلاس ہوں گے۔

(سید محمود جاوید حسن ترمذی مہتمم مدرسہ)

(6518)

بچوں کا صفحہ

ماں کی نافرمانی کی سزا

محمد افضل ——— لاہور

بزرگوں سے سنا ہے کہ ایک شخص حج کرنے کا بڑا خواہش مند تھا مگر اس کی والدہ زندہ تھی۔ اور جب کبھی ماں سے حج پر جانے کے لئے اجازت طلب کرتا تو وہ اجازت نہ دیتی اور کہتی کہ بیٹا تمہارے بغیر میرا کون ہے تو ہی میرا سہارا ہے۔ میں اب قریب مرگ ہوں۔ اگلے سال تک مرجاؤں گی تو پھر تم بلا روک ٹوک حج پر چلے جانا۔ چنانچہ وہ اپنا ارادہ ملتوی کرتا رہا۔ اور حج کے لئے نہ جاتا۔ ہر سال وہ جب والدہ سے حج کی اجازت مانگتا، تو اس سے پھر وہی پہلا جواب ملتا — غرضیکہ اسی طرح ہر سال تقریباً چھ سات برس تک فقط ماں کے کہنے سے اپنا ارادہ ملتوی کرتا رہا۔ آخرکار اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور وہ ماں کے منع کرنے کے باوجود حج کے لئے چل نکلا — لوگ اس وقت پیدل سفر کیا کرتے تھے اس لئے راستے میں کئی جگہوں پر قیام کرنا پڑتا۔ چنانچہ اس شخص کو بھی چلتے چلتے رات آئی تو وہ ایک مسجد میں شب بسری کے لئے ٹھہر گیا۔

اسی رات مسجد کے پڑوس میں ایک شخص کے ہاں چوری ہو گئی۔ گھر والے جاگ اٹھے اور چور کو پکڑنا چاہا۔ مگر چور مسجد کے راستے سے گذر کر فرار ہو گیا۔ لیکن جب تعاقب کرنے والے مسجد میں آئے تو انہوں نے اس اجنبی شخص ہی کو جو دراصل حج کے لئے جا رہا تھا چور سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ اور پولیس کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ چوری کی پاداش میں اسے کوڑے، اور جوتے مارنے کی سزا تجویز ہوئی۔ چنانچہ جب پولیس والے اسے جوتے مارتے تو کہتے کہ یہ چوری کی سزا ہے مگر وہ شخص خود اپنے منہ سے کہتا کہ نہیں "یہ ماں کی نافرمانی کی سزا ہے۔"

میرے بھائیو! ہمیں اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے ——— اور والدین کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ان کے سامنے چوں تک بھی نہیں کرنی چاہئے۔

دعا ہے کہ خدا تعالےٰ ہم سب کو والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی توفیق بخشے۔ آمین

حضرت صفیہؓ

(ایک بہادر خاتون)

حضرت صفیہؓ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ آپ نے غزوۂ اُحد میں شرکت کی، زخمیوں کو پانی پلاتیں اور بیماروں کی تیمارداری کرتیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی۔ اور انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا حضرت صفیہؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو نیزے کی چوبیں اور برچھے مسلمانوں کے منہ پر مار مار کر ان کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ سینے پر تیر کھاؤ ورنہ ہم جنگ سے بھاگنے والوں کو ادھر نہیں آنے دیں گی آپ کے پیارے بھائی حضرت حمزہؓ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔

۵ھ ہجری میں جب جنگِ خندق ہوئی تو اس وقت مائی صفیہؓ کی عمر اٹھاون (۵۸) سال تھی۔ حضور اکرمؐ نے تمام مستورات کو ایک قلعہ میں بند فرما دیا اور حضرت حسان بن ثابتؓ کو قلعے کا محافظ مقرر فرما دیا۔ یہودی اندرونی طور پر مسلمانوں کے دشمن تھے۔ انہوں نے یہ موقعہ غنیمت جانا اور ان کی ایک جماعت نے عورتوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لئے قلعہ تک جا پہنچا۔

حضرت صفیہؓ نے کہیں سے اس یہودی کو دیکھ لیا۔ اور حضرت حسانؓ سے فرمایا کہ یہ یہودی موقعہ دیکھنے کے لئے آیا ہے تم قلعہ سے باہر نکل کر اس کو قتل کر دو۔ حضرت حسانؓ بہت ضعیف تھے۔ اور بوجہ ضعف انہیں ہمت نہ ہوئی تو اس پر آپ نے خود خیمے کا ایک کھونٹا لیا اور باہر نکل کر یہودی کا سر کچل دیا۔ اور پھر حضرت حسانؓ سے فرمایا کہ نامحرم مرد ہونے کی وجہ سے میں نے اس کے کپڑے اور سر نہیں اتارا تم جا کر اس کے سب کپڑے اتار لاؤ۔ اور اس کا سر بھی قلم کر لاؤ۔ مگر وہ یہ ہمت بھی نہ کر سکے۔ چنانچہ آپ دوبارہ جا کر اس کا سر کاٹ لائیں اور یہود کے مجمع میں پھینک دیا۔ یہودیوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو سمجھے کہ شاید مسلمانوں کی کچھ فوج ادھر بھی متعین ہے اس لئے انہیں حملہ کرنے کی جراءت ہی نہ ہو سکی۔

اللہ والے

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ہمسایہ میں ایک یہودی رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ آپ کو تنگ کرتا۔ مگر آپ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے اور سختی کا جواب نرمی سے دیتے۔

اتفاقاً وہ کسی جرم میں پکڑا گیا۔ جب آپ کو پتہ چلا تو عدالت میں خود جا کر اُسے ضمانت پر چھڑوا لائے۔ اور اس طرح اسے احسان سے جکڑا کہ وہ ہمیشہ کا گرویدہ ہو گیا۔

طارق محمود، لاہور

حمدِ باریتعالیٰ

سب سے اعلیٰ سب سے افضل ہے مقام اللہ کا
کس قدر ہے کامل و اکمل نظام اللہ کا

جو خدا کے خاص بندے ہیں جہاں میں ہر گھڑی
وِرد رکھتے ہیں زباں پر پاک نام اللہ کا

روشنی قلب و نظر کی تیز تر ہو جائے گی
مومنو! پڑھتے رہو ہر دم کلام اللہ کا

تجھ کو اے حامد ضرورت ہے اگر تسکین کی
پڑھ وظیفہ صدق دل سے صبح و شام اللہ کا

حامد حسین خان حامد، لائلپور

۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

ٹیلیفون نمبر ۶۷۵۴۵

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۸۱-۲۳۷ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
(۳) کمشنریٹ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۰۶۷۹/۳۹ DD مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر GM۲/۴۸-۵۳۱۰ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۶۷ء

بدل اشتراک ہفت روزہ خدام الدین لاہور

پاکستان اور انڈیا میں سالانہ چندہ		۱۱
" " ششماہی		۶
" " "		۳
سعودی عرب بذریعہ ہوائی جہاز سالانہ چندہ		۴۲
" " بحری جہاز		۱۵
" ہوائی ڈاک ششماہی		۲۱
" " بحری		۱۱
انگلینڈ بذریعہ ہوائی ڈاک سالانہ	۴۰	۷۳
" " بحری	۸۰	۶۲

انڈیا کے خریدار اپنا چندہ منیجر ماہنامہ "الفرقان" کچہری روڈ لکھنؤ ارسال کرکے ڈاک خانہ کی رسید ہمیں ارسال کر دیں۔
(سرکولیشن منیجر)

قرآن عزیز

تحشیۂ جدیدہ

رنگین — دیدہ زیب

عکسی طباعت سے مزیّن

مرتبہ: حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کم و بیش ایک لاکھ کے مصرف سے تین سال کی محنتِ شاقہ کے بعد چھپ کر تیار ہو گیا ہے۔

ہدیہ

مجلد قسم اوّل	مجلد قسم دوم	مجلد قسم سوم
آفسٹ پیپر	کرنافلی سفید کاغذ	مکینیکل گلیز کاغذ
	-/۱۲ روپے	-/۹ روپے

محصول ڈاک دو روپے فی نسخہ زائد ہو گا۔
فرمائش کے ساتھ کل رقم پیشگی آنا ضروری ہے۔
وی۔پی نہ بھیجا جائے گا۔
تاجرانہ رعایت کے لیے لکھیں۔

المعلن: ناظم شعبۂ تالیف و اشاعت انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور

شیخ المشائخ قطب الاقطاب اعلیٰ حضرت مولانا و سیدنا تاج محمود امروٹی نور اللہ مرقدہٗ

رعایتی ہدیہ فی جلد ۵/۵۰ ڈاک خرچ ۱/۵۰
کل -/۷ روپے پیشگی بھیج کر طلب فرمائیں

دفتر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور میں باہتمام عبید اللہ انور پرنٹر چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع ہوا